18

یکم تا 7 مئی 2008ء/24 تا 30 ربیع الثانی 1429ھ

امریکہ جیت گیا، پاکستان ہار گیا

فریضۂ شہادت علی الناس

سب کچھ امریکی گیم پلان کے مطابق

حیرت انگیز انکشافات

انقلابِ اسلامی کے محرکات

شاباش! ڈاکٹر بابر اعوان

اختلاف رائے یا دین میں وسعت

اتحادِ امت

سچائی کی راہ میں رکاوٹیں

معروف ومنکر

’شریعت‘ ہمارے لیے انہی چیزوں کو بھلائی قرار دیتی ہے جو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ہیں اور انہی چیزوں کو برائی قرار دیتی ہے جو اس فطرت سے موافقت نہیں رکھتیں۔ وہ بھلائیوں اور برائیوں کی محض ایک فہرست ہی بنا کر ہمارے حوالے کردینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ زندگی کی پوری اسکیم ایسے نقشے پر بناتی ہے کہ اس کی بنیادیں معروف (بھلائیوں) پر قائم ہوں اور معروفات اس پر پروان چڑھ سکیں۔ اور منکرات کو اس کی تعمیر میں شامل ہونے سے روکا جائے اور نظام زندگی میں ان کے درآنے اور ان کا زہر پھیلنے کے مواقع باقی نہ رہنے دیے جائیں۔ اس غرض کے لیے وہ معروفات کے ساتھ ان اسباب اور ذرائع کو بھی اپنی اسکیم میں شامل کرتی ہے جن سے وہ قائم ہوسکتے اور پروان چڑھ سکتے ہیں اور ان موانع کو ہٹانے کا انتظام بھی تجویز کرتی ہے جو معروفات کے قیام اور نشوونما میں کسی طور پر سدراہ ہوسکتے ہیں۔ اس طرح اصل معروفات کے ساتھ ان کے قیام وترقی کے وسائل بھی معروف شمار ہوجاتے ہیں، اور ان کے موانع منکرات کی فہرست میں شامل کردیے جاتے ہیں۔ یہی معاملہ منکرات کے ساتھ بھی ہے۔ اصل منکرات کے ساتھ وہ چیزیں بھی منکر قرار پاتی ہیں جو کسی منکر کے وقوع یا ظہور یا نشوونما کا ذریعہ ہیں۔ معاشرے کے پورے نظام کو شریعت اس طرز پر ڈھالتی ہے کہ ایک ایک معروف اپنی حقیقی صورت میں قائم ہو۔ زندگی کے تمام متعلقہ شعبوں میں اس کا ظہور ہو۔ ہر طرف سے اس کو پروان چڑھنے اور قائم ہونے میں مدد ملے۔ اور ہر وہ رکاوٹ دور کی جائے جو کسی طرح سے اس کی راہ میں حائل ہوسکتی ہو۔ اسی طرح ایک ایک منکر کو چن چن کر زندگی سے نکالا جائے۔ اس کی پیدائش اور نشوونما کے اسباب روکے جائیں۔ جدھر جدھر وہ زندگی میں گھس سکتا ہے، اس کا راستہ بند کیا جائے۔ اور اگر وہ سر اٹھا ہی لے تو پھر سختی کے ساتھ اسے دبا دیا جائے۔

اسلامی نظریہ حیات

پروفیسر خورشید احمد

الھدیٰ (319)

سورۃ الانعام

(آیات:116،117)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾﴾

’’اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم اُن کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے۔ یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور اُن سے بھی خوب واقف ہیں جو راستے پر چل رہے ہیں۔‘‘

جدید جمہوری نظام کی نفی کے لئے یہ آیت سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ اگر تم زمین میں بسنے والی اکثریت کی پیروی کروگے تو وہ تمہیں لازماً اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے۔ جمہوری نظام میں یہی ہوتا ہے کہ عوام کی کثرت آراء سے فیصلے ہوتے ہیں، بقول اقبال ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

دنیا میں اکثریت تو ہمیشہ باطل پرستوں کی رہی ہے۔ دورِ صحابہؓ اسلام کا سنہری دور تھا۔ اُس وقت صحابہؓ کی تعداد کتنی تھی۔ دنیا کی پوری آبادی کا حساب لگائیں تو شاید لاکھوں میں ایک بھی نہ بنے۔۔۔۔ بہرحال اسلام کے نزدیک اکثریت ہرگز معیارِ حق نہیں، معیارِ حق اللہ اور اُس کے رسول کا حکم ہے۔ چنانچہ اگر کسی معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے کوئی حکم دے دیا تو اب تمام کے تمام انسان مل کر بھی اُس میں ترمیم و تبدیلی کرنا چاہیں یا اُسے ختم کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، کہ اکثریت حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کی حامل نہیں ہے۔ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کا حق ہے۔ ہاں کسی مباح کام میں اکثریت کی رائے کو قبول کیا جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اے اللہ کے نبی! اگر آپ زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کا فیصلہ مانیں گے تو وہ یقیناً آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹادیں گے کیونکہ وہ تو صرف ظن و تخمین کی پیروی کررہے ہیں اور یہ کچھ نہیں کررہے سوائے اِس کے کہ انہوں نے کچھ اندازے ازخود مقرر کر رکھے ہیں۔

آپ کا رب خوب واقف ہے اُن سے جو اُس کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں، اور وہ خوب واقف ہے اُن سے بھی جو ہدایت کی پیروی کر رہے ہیں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

راہ حق کا غبار

عَنْ اَبِیْ عَبْسٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ))

(رواہ البخاری)

حضرت ابوعبس ؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ’’جس کے قدم ’’اللہ کی راہ‘‘ میں غبار آلود ہوں، اللہ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کی ہے۔‘‘

تشریح: ’’اللہ کی راہ‘‘ کا اطلاق ہر اس کام پر ہوتا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ مثلاً علم دین حاصل کرنے، نمازِ جنازہ میں شریک ہونے، بیمار کی عیادت کرنے، مسجد میں نماز باجماعت کے لیے جانے، حج کرنے اور اس طرح کے دوسرے فرائض کو ادا کرنے کے لیے سفر کرنا لیکن بالعموم یہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جدوجہد کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔

’’قدموں کے غبار آلود ہونے‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کے جسم پر گرد و غبار کی دھول آئے یا اسے جسمانی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے اور اس راہ کی تکلیفوں اور آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امریکہ جیت گیا، پاکستان ہار گیا

جب بھی پاکستان میں حالات کے سدھرنے کی امید پیدا ہوتی ہے، دانشوروں اور قلم کاروں کے اس طرح کے بیانات سامنے آتے ہیں کہ اب گاڑی پٹڑی پر چڑھ جائے گی۔ اب ہم ترقی کی منازل طے کریں گے تو دل و دماغ پر ایک انجانا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہماری 60 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسے موقع پر اچانک ایسا حادثہ پیش آ جاتا ہے کہ حالات سدھرنے کی بجائے بُری طرح بگڑ جاتے ہیں۔ 1971ء کا سانحہ رونما ہونے سے پہلے ہم نے سنا کہ 6 نکات میں سے پونے چھ پر مفاہمت ہو گئی ہے۔ عوام جلد خوشخبری سنیں گے۔ لیکن پھر اچانک کیا ہوا، مسلمان بنگالی اور غیر بنگالی میں تقسیم ہوئے اور ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت کو یوں لوٹا کہ مسلمانوں کے دشمنوں کو بھی شرم آ گئی ہوگی۔ پاکستانی افواج نے شرمناک طریقے سے اپنے ازلی دشمن کے آگے ہتھیار ڈالے۔

1977ء میں تحریک نظامِ مصطفیٰ ؐ کے نام سے بھٹو کے خلاف تحریک چلی۔ پی این اے اور بھٹو حکومت کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات کی کامیابی کا اعلان ہو گیا لیکن اچانک مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ کسی نادیدہ ہاتھ نے کامیاب مذاکرات کو Sabotage کر دیا۔ حالیہ دور میں جنرل اورکزئی کو سرحد کا گورنر بنایا گیا کہ اس کے قبائلیوں سے قریبی تعلقات ہیں۔ وہ مذاکرات کر کے ہماری جان دہشت گردی کے خلاف جنگ سے چھڑا دے گا۔ جنرل اورکزئی نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مختلف قبائل سے مذاکرات کیے۔ نیک محمد اُن دنوں امریکہ کی جان کو وبال بنا ہوا تھا۔ جنرل اورکزئی نے جرگہ کی وساطت سے حکومت پاکستان کے ساتھ نیک محمد کا امن معاہدہ کروا دیا۔ اخبارات میں تصاویر شائع ہوئیں، جن میں جنرل اورکزئی نیک محمد کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہے ہیں۔ کچھ دن کے لیے دھماکے اور فائرنگ رک گئی۔ محسوس ہوتا تھا اب ہماری شمال مغربی سرحدوں پر امن قائم ہو جائے گا لیکن اچانک نیک محمد کی ٹارگٹ کلنگ ہوئی۔ ایک امریکی میزائل نے اُس کے ڈیرہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ امن معاہدہ ختم ہو گیا۔ فائرنگ، دھماکے اور خودکش حملے شروع ہو گئے۔ امریکی بمباری سے گاؤں کے گاؤں جل گئے۔ 18 فروری کے انتخابات میں عوام نے صدر مشرف کو بُری طرح مسترد کر دیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی سنگل لارجسٹ پارٹی کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں اُبھری۔ حیران کن بات تھی کہ انتخابات بڑے پُرامن ماحول میں ہوئے اور نتائج کے بعد بھی دھاندلی کا شور و غوغا نہ ہوا۔ پھر یہ کہ آصف زرداری نے حیران کن حد تک مفاہمتی رویہ اختیار کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیپلز پارٹی کے تجویز کردہ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو کُل پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر اعتماد کا ووٹ دیا جو پاکستان کی سیاسی تاریخ کا منفرد واقعہ ہے۔ دونوں بڑی جماعتیں یعنی پاکستان مسلم لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی کا اتحاد ہو گیا۔ سرحد میں کامیاب ہونے والی اے این پی بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئی۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ کوئی قومی حکومت وجود میں آ جائے گی۔ یہی وقت کی اصل ضرورت تھی۔ حالات کا بھی تقاضا تھا کہ تمام سیاسی جماعتیں مل کر ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی چیلنجز کا مقابلہ کریں۔ معمولی سا سیاسی فہم رکھنے والا شخص بھی اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ سیاست دان مل جل کر ہی ملک کو بحران سے نکال سکیں گے۔ اعلانِ مری نے لوگوں کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا۔ ججوں کی بحالی کے مسئلے نے لوگوں کو جان کی دشمن مہنگائی بھی بھلا دی ہوئی تھی۔ اعلانِ مری میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ تمام جج تیس دن کے اندر قومی اسمبلی کی قرارداد کے ذریعے بحال کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ کچھ دانشور حضرات یہ کہتے ہوئے سُنے گئے ہیں کہ ججوں کی بحالی عوام کا مسئلہ نہیں، عوام کو روٹی درکار ہے جو اُسے جج مہیا نہیں کر سکیں گے۔ ایسے لوگ بھول رہے ہیں اگر ایک دفعہ کسی جج کے ہاتھوں جرنیل شکست کھا گیا تو آنے والے کل میں کوئی آمر چاہے وہ فوجی ہو یا سویلین کسی جج پر دباؤ نہیں ڈال سکے گا اور پاکستان آج جن مصائب میں گھرا ہوا ہے اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ماضی میں ہمارے جج (باقی صفحہ 7)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — یکم تا 7 مئی 2008ء — 24 تا 30 ربیع الثانی 1429ھ — شمارہ 18

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

لالۂ صحرا

(بالِ جبریل)

یہ گنبدِ مینائی! یہ عالمِ تنہائی! — مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی!
بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تُو! — منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی؟
خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ — تُو شعلۂ سینائی، میں شعلۂ سینائی!
تُو شاخ سے کیوں پھُوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا — اِک جذبۂ پیدائی! اک لذّتِ یکتائی!
غوّاصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو — ہر قطرۂ دریا میں، دریا کی ہے گہرائی!
اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ — دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی!
ہے گرمیٔ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم — سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی!
اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو — خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی!

یہ نظم اقبال کی ایمائی شاعری کی بہترین مثال ہے، کیونکہ اِس کا ہر مصرع استعارہ، کنایہ اور مجاز سے لبریز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ پوری نظم میں کوئی لفظ یا ترکیب مشکل نہیں ہے، اس کے باوجود اشعار کا مطلب سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، اس لیے یہ نظم بہت غور سے پڑھنے کے لائق ہے۔

جس طرح پرندوں میں شاہین اقبال کا محبوب ہے، اسی طرح پھولوں میں گلِ لالہ اُنہیں بہت مرغوب ہے۔ گلِ لالہ سے اقبال کی خصوصی دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ جس طرح اُن کو شاہین میں مردِ مومن کی صفات نظر آتی ہیں، اسی طرح وہ اس پھول میں عاشق کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اقبال اور گلِ لالہ دونوں کسی "پردہ نشین" کے فراق میں جل رہے ہیں، اسی لیے دونوں کے جگر میں داغ ہے اور جب وہ لالہ کے قلب میں داغ کو دیکھتے ہیں تو انہیں اپنے دل کا داغ نظر آ جاتا ہے۔ گویا گلِ لالہ اُن کے عشق کا آئینہ ہے۔

1۔ شاعر (عاشق) بے خودی کے عالم میں کسی صحرائے لق ودق میں جا نکلتا ہے۔ وہاں اُسے ایک لالۂ خُودرَو (صحرائی) نظر آتا ہے اور جب اُس کے داغِ جگر کو دیکھتا ہے تو اُسے اپنا ہم مشرب سمجھ کر یُوں گویا ہوتا ہے۔ اے گلِ لالہ! مجھے تعجب ہے تُو کس طرح یہاں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ لامحدود آسمان، یہ خامشی، سکوت اور تنہائی کا عالم! تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور خوف زدہ ہو جاتا۔

2۔ اے گلِ لالہ! تُو اور میں ہم دونوں یہاں راستہ بھول کر آ گئے ہیں۔ یہ جگہ تیرے لیے موزوں ہے اور نہ میرے لیے، کیونکہ عاشق کا مقصدِ حیات یہ نہیں کہ وہ ساری زندگی گم نامی کی حالت میں بسر کر دے۔ عشق تو ہنگامہ چاہتا ہے نہ کہ سکوں۔ اے لالۂ صحرائی! کبھی تُو نے کبھی یہ سوچا کہ تیری منزل کہاں ہے؟ یہ صحرا تو یقیناً تیری منزل نہیں ہے۔ تجھے باغ کی زینت میں اضافہ کرنا چاہیے۔ یہاں تو تیرے داغِ جگر کو دیکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔

3۔ اس کے بعد شاعر فلسفیانہ انداز اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ایک المیہ ہے کہ دنیا کے پہاڑ اور اس کے دامن اب پیغمبرِ خُدا حضرت مُوسیٰ کلیم اللہ جیسی بلند پایہ ہستیوں کے آماج گاہ نہیں رہے، ورنہ شعلۂ سینائی میرے سینے میں بھی موجود ہے اور تیرے سینے میں بھی۔ مراد یہ ہے کہ تیری طرح مجھ میں بھی وہ خصوصیات موجود ہیں جو حسنِ حقیقی کی آئینہ دار ہیں، لیکن ہُوا یوں ہے کہ ان کا ادراک رکھنے والے لوگ ناپید ہو چکے ہیں۔

4۔ یہ سوال بھی اُبھرتا ہے کہ اے لالۂ صحرا، تُو شاخ کی کوکھ سے کیوں برآمد ہُوا اور میں عدم سے وجود میں کیوں آیا، تو اس کا جواب بھی شاید مشکل نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہر شے میں نمود و نمائش کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ یہی جذبہ تیری تخلیق کا سبب بنا اور یہی جذبہ میری تخلیق کا۔ دونوں یہی چاہتے ہیں کہ اس عالمِ رنگ و بُو میں آ کر اپنے اپنے مقام سے ذاتی انفرادیت اور خود نمائی کا اظہار کیا جائے۔

5۔ عشق و محبت کی راہیں اس قدر کٹھن ہیں کہ اُن سے خدا کی مدد کے بغیر عاشق عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اِس راہ کا ایک ایک مرحلہ پورے خارزار بیاباں سے گزرنے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں دلی مقصد کا حصول انتہائی مشکلات کا حامل ہے۔

6۔ عملی جدوجہد کے ذریعے بے شک ہر شخص اپنی منزل پا لیتا ہے، لیکن کچھ بدقسمت افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو تمام تر عملی جدوجہد اور اس کے علاوہ ہر نوع کی مشکلات سے گزرنے کے باوجود اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہتے ہیں۔ فطرت بھی ایسے لوگوں کی ناکامی پر کسی نہ کسی انداز میں اظہارِ تاسف کیے بغیر نہیں رہتی۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ انسان کو اُس کی محنت اور جدوجہد کا پھل کسی نہ کسی صورت میں مل ہی جاتا ہے۔

7۔ کائنات میں اگر کوئی فرد سرگرمِ عمل ہے تو وہ فقط انسان ہے، جو دنیاوی سطح پر تہذیب و تمدن اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن سعی کرتا رہتا ہے، ورنہ سورج اور ستارے ہر چند کہ تاریکی میں جلوہ آرا ہوتے ہیں اور دنیا میں منور کرنے کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں، اس کے باوجود ان کی حیثیت محض تماشائی کی سی ہے۔ زمامِ کار تو انسان کے ہاتھوں میں ہے۔

8۔ کاش مجھے ربِ ذوالجلال اِن کیفیتوں سے نواز دے جو اس نے صحرا کی ہواؤں کو بخشی ہیں، کہ تنہائی کے سناٹے میں جاری و ساری رہتی ہیں۔ ایک طرف سکون اور دوسری جانب سرمستی اور رعنائی سے ان کا وجود عبارت ہے۔ میں بھی انہی کیفیات میں زندگی گزارنے کا خواہاں ہوں۔

اُمت مسلمہ کے لئے موجودہ زبوں حالی سے نجات کا راستہ

فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 18 اپریل 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

پچھلے جمعہ اُمت کی اولین ذمہ داری کے حوالے چند نکات آپ کے سامنے رکھے تھے۔ اس وقت پوری دنیا میں ہمیں جو مار پڑ رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے دین سے بے وفائی کی ہے۔ مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ نہ تو خود دین پر عمل کرتی ہے اور نہ انہوں نے دنیا میں کسی ایک ملک میں اس دین کو قائم اور غالب کیا ہے۔ یہ جرم سب سے بڑھ کر ہم اہل پاکستان کا ہے کہ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر بنایا تھا۔ پاکستان کو قائم ہوئے 61 سال ہو جانے کے باوجود ہم نے یہاں پر دین کو قائم نہیں کیا۔ دین سے بے وفائی کی سزا پوری اُمت اور بالخصوص پاکستان کو ملی ہے۔ اب اللہ نے ہمیں کچھ موقع دیا ہے تو ہمیں اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی چاہیے تاکہ اللہ کی مدد اور نصرت ہمارے شامل حال ہو جائے اور ہم اللہ کے عذاب کے سائے سے نکل آئیں۔ لہٰذا اگر پاکستانی قوم کو کچھ مہلت ملی ہے تو اب اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ زندگی پر توبہ ہو، ہر فرد اپنی زندگی میں یہ عہد کرے کہ اب اللہ اور رسول ﷺ کی وفاداری میں زندگی گزاروں گا۔ ہر معاملے میں اللہ اور رسول کا حکم مقدم ہوگا۔ اور اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ پورے نظام اجتماعی پر بھی اللہ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش کروں گا، اور پھر عملاً بھی ایسا کرے یعنی جو قانون، جو دین حق اللہ نے دیا ہے اس کی تعمیل اور اُس کو قائم اور نافذ کرنے کی سعی وجہد کرے۔ یہ نہیں کر رہا ہے تو اللہ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا پورا نہیں ہو رہا۔ بحیثیت امت ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اس تقاضے سے غافل ہیں۔

اُمت مسلمہ کی تشکیل ایک خاص مشن کے لیے ہوئی ہے، مگر افسوس کہ ہم سرے سے اِسے بھلائے بیٹھے ہیں۔ یہ عظیم مشن کیا ہے؟ پوری نوع انسانی تک اللہ کے پیغام کو پہنچانا، جیسے رسول پہنچایا کرتے تھے۔ یہ اس اُمت کا اجتماعی مشن ہے۔ سورۂ حج کے آخری رکوع میں فرمایا:

”اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے۔ تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں۔ اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو۔“ (الحج: 78)

> (اُس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر اُمت میں سے خود اُن پر گواہ کھڑے کریں گے۔ اور (اے پیغمبر) تم کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔
>
> (القرآن)

اسی لیے پھر جب اُمت کی تاج پوشی کا اعلان ہوا تو فرمایا:

”اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔“ (البقرۃ: 143)

نبوت و رسالت کا باب اب بند ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام قرآن اُتار کر اس کو محفوظ کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے یہ محفوظ ہدایت ہم تک پہنچ گئی ہے۔ اب نبیؐ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہم نے اس پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا ہے۔ اب یہ اُمت، اللہ اور بندوں کے درمیان درمیانی لنک ہے۔ اللہ نے ہمیں شہادت حق کے لیے چن لیا۔ لہٰذا اب بہر صورت ہمیں یہ کام کرنا ہے، ورنہ اللہ کی نگاہ میں ہمارا کوئی مقام نہ ہوگا۔ آپ کسی ٹیم کو کوئی کام دے کر بھیجتے ہیں، اگر وہ ٹیم اپنے اس کام کو بھول جائے اور دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو جائے، تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ بہر حال رسالت والا کام اب اس اُمت کے ذمے ہے۔ اللہ نے نبیؐ پر نبوت و رسالت کی تکمیل فرما دی، لیکن ہدایت کی ضرورت تو ختم نہیں ہوئی، ہر دور کی طرح اب بھی باقی ہے، بلکہ اب پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اِس لئے کہ ابھی تو دجالی فتنے کا دور آنے والا ہے، جس کے بارے میں ہر نبی اور رسول نے خبردار کیا اور اس سے پناہ مانگی ہے۔ لہٰذا یہ ذمہ داری اُمت کی ہے کہ شہادت حق کا کام کرے، وہ کام کہ جو پہلے رسول کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کی تشکیل کے اعلان کے بعد یہ نہیں کہا کہ اے مسلمانو! تمہیں اللہ نے اب اونچا مقام دے دیا کہ سابقہ اُمت کو معزول کر کے اب قیامت تک زمین پر تمہیں اپنی نمائندہ اُمت بنا دیا، لہٰذا خوشیاں مناؤ، ایک جشن کا اہتمام کرو، نہیں بلکہ انہیں یاد دلایا کہ یہ بہت کٹھن ذمہ داری ہے۔ اس کی ادائیگی کے ضمن میں صبر سے اور نماز سے مدد حاصل کرو۔“

”اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ (البقرۃ: 153)

اور یہ بھی جان لو کہ جو شخص اس ذمہ داری کی ادائیگی میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ شہادت اور شہید ایک ہی سہ حرفی مادہ سے دو الفاظ ہیں۔ شہادت کا مطلب گواہی ہے اور شہید کا مطلب ہے گواہی دینے والا۔ اللہ کی راہ میں جان دینے والا سب سے بڑا گواہ ہے کہ وہ دین حق کی گواہی دینے کے مشن میں اپنی گردن کٹا دیتا ہے۔ لہٰذا اُسے مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مُردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔" (البقرہ: 154)

امت کے اِس فریضے کی وضاحت سورۂ آلِ عمران میں ایک اور انداز سے آئی ہے۔ فرمایا:

"(مومنو) جتنی اُمتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (آیت: 110)

ہم اس بات پر تو بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں بہترین اُمت کا خطاب مل گیا، ہمیں فضیلت دی گئی ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ فضیلت کس کام کی وجہ سے دی گئی ہے۔ ہمیں بہترین امت کا اعزاز اِس لیے دیا تھا گیا کہ ہم دوسروں کو اللہ کے پیغام سے روشناس کراتے رہیں۔ ہم نے خود تو اللہ کا بندہ بننا ہی ہے، اللہ کے احکامات پر چلنا ہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں تک اللہ کا پیغام پہنچانا، دین کو قائم اور غالب کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ نے ہمیں یہ مقام اس کام کی وجہ سے عطا کیا ہے۔

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنیادی طور پر رسول کا کام تھا۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ

"وہ اُنہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں۔" (آیت: 157)

لیکن آپ کے وصال کے بعد اب یہ کام ہمیں کرنا ہے۔ اپنے معاشرے میں بھی کرنا ہے اور پوری دنیا میں بھی کرنا ہے، یعنی پوری دنیا کو نیکی کا سبق پڑھانا اور برائیوں سے روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔ نبی ﷺ نے یہ کام کیسے کیا؟ آپؐ نے پہلے زبان سے بتایا اور پھر دین کو غالب کر کے قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ اسی نہج پر یہ کام اب اس اُمت کے ذمے ہے۔ جس طرح انفرادی طور پر ہر شخص کا یہ کام ہے کہ اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بنے، اللہ اور رسول کی اطاعت کو پوری زندگی میں مکمل اختیار کرے، اسی طرح اجتماعی طور پر اُمت کا فرض منصبی یہ ہے کہ دین کو پوری دنیا تک پہنچائے، دین کی گواہی قائم کرے جسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں شہادت علی الناس کہا گیا ہے۔

شہادت گواہی کو کہتے ہیں۔ شہادت علی الناس کا مطلب ہوا لوگوں پر گواہی قائم کرنا۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص گواہی دیتا ہے تو وہ گواہی یا تو کسی کے حق میں جاتی ہے یا کسی کے خلاف۔ یہ گواہی جو ہم نے قائم کرنی ہے یہ لوگوں کے خلاف ہوگی۔ رسول کی گواہی بھی لوگوں کے خلاف ہوتی ہے، کیسے؟ یہ ایک باریک علمی نکتہ ہے۔ دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور بتادیا کہ تم سے مطلوب تو بندگی ہے

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔" (الذاریات: 56)

لوگوں کو چاہیے کہ پوری زندگی اللہ کی غلامی اختیار کریں۔ انسان کو دنیا میں جو مہلت عمر دی گئی ہے یہ امتحان کے لئے ہے۔ اللہ جائزہ لے رہا ہے کہ اُس کے بندے اس تقاضے کو پورا کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ اگر کرتے ہیں تو اِس میں اُن کا اپنا ہی بھلا ہے۔ اُن کے لیے دائمی کامیابی اور انعامات ہوں گے۔ اور اگر نہیں کرتے تو اُن کے لئے سخت ترین سزا ہوگی۔ دنیا کا بھی یہ اصول ہے کہ استاد اپنے شاگردوں کو جب کچھ سکھاتا ہے، تو اُس کو جانچنے کے لئے اُن کا امتحان لیتا ہے۔ جو سکھایا گیا تھا، اسی میں سے امتحان ہوتا ہے۔ اب ہمارا آخرت میں کس بنیاد پر محاسبہ ہونا ہے۔ کیا دنیا میں سب لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ کیوں آئے ہیں؟ دنیا میں انہیں بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟ دنیا میں بہت سے لوگ وہ بھی ہیں جن تک رسول اور نبی کی دعوت نہیں پہنچی، لیکن ان سے بھی حساب ہونا ہے۔ اس کی بنیاد عہدِ الست ہے۔ اللہ کا تعارف اس حیثیت سے کہ وہ رب ہے، انسان کی فطرت میں عہدالست کی وجہ سے موجود ہے۔ اسی طرح انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کی تمیز موجود ہے۔ ہر انسان جانتا ہے کہ کسی کو تکلیف دینا بری بات ہے، کسی کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اس کے لیے آپ کو سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان جانتا ہے کہ سچ بولنا اچھی بات ہے، جھوٹ بولنا بری بات ہے۔ کسی کے کام آنا اچھی بات ہے، کسی کی حق تلفی کرنا بُرا ہے۔ وعدہ پورا کرنا ایک اچھی بات ہے۔ وعدہ خلافی بری بات ہے۔ کسی نے امانت رکھوائی ہے، اُس کی حفاظت کرنا نیکی کا کام ہے اور اس میں ڈنڈی مارنا برائی ہے۔ یہ بتانے کے لیے کسی نبی اور رسول کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ باتیں ہر شخص جانتا ہے۔ جن لوگوں تک کسی نبی یا رسول کی دعوت نہیں پہنچی، ان سے بھی ان بنیادوں پر محاسبہ ہوگا۔ لیکن ان کا محاسبہ ہمارے مقابلے میں ہلکا ہوگا۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کو واضح کرنے کے لیے ہر قوم میں اپنا نمائندہ بھیجا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں فرمایا کہ "(اے محمدؐ) تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لئے رہنما ہے۔" (آیت: 7) کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کرنے والے کو نہ بھیجا ہو۔ اللہ کے رسول کا کام کیا ہوتا ہے؟ جب اللہ کا رسول آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہر انداز سے واضح کرتا ہے، اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، وہ اِسے لوگوں کو سناتا ہے، زبان سے اس کی وضاحت کرتا ہے، عمل سے اس کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ خود کو رول ماڈل بنا کے پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ پروردگار مجھے نہیں معلوم تھا کہ بندگی کے تقاضے کیا ہیں؟ کیا خیر ہے؟ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال اور کیا حرام ہے؟ یہ رسول کی طرف سے دین کی گواہی، لوگوں کے خلاف جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بروز قیامت عدالت قائم کرنی ہے، اس کے لیے بنیاد فراہم ہو رہی ہے تا کہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے، کہ پروردگار مجھے پتا نہیں تھا۔ مجھ پر تیرا پیغام واضح نہیں ہوا تھا۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ مجھے کیوں دنیا میں بھیجا گیا، لہٰذا اب حساب کس بات کا لیا جا رہا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں رسولوں کے حوالے سے فرمایا:

"(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے" (النساء: 165)

آخرت میں اس شہادت کا ظہور کیسے ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ محاسبہ سے پہلے ہر قوم میں اللہ کا جو بھی نمائندہ آیا تھا وہ کھڑا ہو کر اس قوم کے خلاف گواہی دے گا کہ پروردگار جو کچھ تو نے مجھے دیا تھا میں نے اپنی قوم تک پہنچا دیا، زندگی کا وہ سیدھا راستہ اور فکر و عمل کا وہ صحیح طریق جس کی تعلیم آپ نے مجھے دی اُسے میں نے بلا کم و کاست لوگوں کو بتا دیا تھا۔ اب یہ خود اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ یہی شہادت نبی اکرم ﷺ بھی دیں گے۔ یہ مضمون قرآن حکیم میں دو مرتبہ آیا ہے۔ سورۂ نحل میں فرمایا:

> **اگر ہم امریکہ کے مقابلے میں سٹینڈ لینا چاہتے ہیں تو یہ اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اللہ کی مدد اُس کے دین کی نصرت کے ساتھ مشروط ہے**

"(اُس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر اُمت میں سے خود اُن پر گواہ کھڑے کریں گے۔ اور (اے پیغمبر) تم کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔" (النحل: 89)

دوسرا مقام سورۃ النساء کا ہے۔ وہاں فرمایا:

"بھلا اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تم کو اُن لوگوں کا (حال بتانے کو) گواہ طلب کریں گے۔" (آیت: 41)

نبی ﷺ پر اس احساس ذمہ داری کی وجہ سے جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اس کا انداز ایک واقعہ کے ہوتا ہے۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ؟ میں نے تعجب سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں: اور آپؐ کو قرآن سناؤں؟ آپؐ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے دوسرے سے سننا اچھا لگتا ہے اچنانچہ میں نے سورۃ النساء آپؐ کو سنائی اور جب میں آیت فکیف اذا جئنا من کل امۃ الخ پر پہنچا تو آپؐ نے فرمایا: 'بس کافی ہے۔' تب میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ کے چشم مبارک سے آنسوؤں کے موتی گر رہے تھے!" (متفق علیہ)

رسول کی گواہی اصلاً قوم کے خلاف جاتی ہے۔ اس امت کا کام بھی شہادت علی الناس ہے۔ یعنی پوری دنیا کے خلاف گواہی قائم کرنا، حجت قائم کرنا، امت کا اصل منصب یہ ہے کہ دین کی گواہی دے، قول سے، عمل سے اور دین کو قائم کر کے دکھا دے، تا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں نہیں معلوم تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ پروردگار کی بندگی کے تقاضے کیا ہیں۔ اجتماعی نظام کیا ہونا چاہیے۔ یہ کام اُمت کے ذمے ہے۔ اگر امت اس ذمہ داری کو ادا کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد لازماً مسلمانوں کے ساتھ ہو گی۔ یہی وہ نقطہ ہے جو ہم سب کے سمجھنے کا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے مقابلے میں سٹینڈ لینا چاہتے ہیں تو یہ اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اللہ کی مدد اُس کے دین کی نصرت کے ساتھ مشروط ہے۔ بحیثیت امت اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے اللہ کی مدد آئے گی۔ ہم اللہ کے دین کے بخیے ادھیڑیں اور اپنے عمل سے گواہی اللہ کے حق میں دینے کے بجائے اس دین کے خلاف دے رہے ہوں، 58 اسلامی ملک ہوں اور کسی ایک جگہ بھی اللہ کا دین قائم اور نافذ نہ ہو، تو پھر کیسے یہ توقع رکھیں کہ ہمار...

بقیہ: اداریہ

انصاف کی بنیاد پر نہیں بلکہ نظریہ ضرورت کی بنیاد پر فیصلے کرتے رہے ہیں۔ بہر حال تاریخ کہیں اور دہرائی جاتی ہے یا نہیں پاکستان میں یقینی طور پر پہیے کی طرح چکر کاٹتی ہے۔ زرداری صاحب جو اس وقت بادشاہ گر ہیں، عین وقت پر اپنے تمام سابقہ وعدوں سے منحرف ہو رہے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلے گا، قومی اتحاد اور قومی یکجہتی کی تمام کوششیں ایک بار پھر غتر بود ہو جائیں گی۔ ججوں کی بحالی کے مسئلے پر نواز شریف اگر بیک آؤٹ کرتا ہے تو یہ اس کی سیاسی موت ہوگی۔ مرکز اور پنجاب میں مخالف حکومتیں قائم ہوں گی پھر وہی دما دم مست قلندر۔

سوال یہ ہے وہ کون دشمن ہے جو تاک میں بیٹھا ہوتا ہے کہ پاکستان سنورنے نہ پائے۔ وہ عین وقت پر وار کرتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ وہ اتحاد ثلاثہ ہے جو سمجھتا ہے پاکستان کا استحکام، اسلام کا استحکام ہوگا اور اسلام کا استحکام اُن کی موت ہوگا۔ آہ کاش! پاکستان کے عوام اور حکمران بھی یہ سمجھ جائیں کہ اتنے طاقتور دشمن کا، اللہ کی مدد اور نصرت حاصل کیے بغیر مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اللہ کی نصرت نہیں آسکتی جب تک اللہ کا دین قائم نہیں ہوگا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی بقا کا راز جمہوریت میں مضمر ہے تو یقین رکھیے کہ پاکستان کے استحکام کا انحصار صرف اور صرف نفاذ اسلام پر ہے۔ بہر حال ایک بار پھر امریکہ کی جیت اور پاکستان کی ہار ہوتی نظر آتی ہے۔

قرآن فہمی کی طرف پہلا قدم

[redacted] 25 روزہ قرآن فہمی کو[redacted] کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلبہ، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں، تا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں

2008ء کے دوران ان شاء اللہ 3 کورسز

16 واں کورس 4 جون سے
17 واں کورس یکم جولائی سے
18 واں کورس یکم اگست سے

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمے ہوگا۔
☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد و ضوابط کی پابندی ضروری ہوگی۔
☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے
☆ پر سکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلبہ کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔ جون 08ء، جولائی 08ء اور اگست 2008ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی

لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر
فون: 047-7628561-7628361

نظام	خلافت	کا	قیام
تنظیم	اسلامی	کا	پیغام

سب کچھ امریکی گیم پلان کے مطابق

محمد سمیع

یہ حقیقت ہے جب عوامی مینڈیٹ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بالخصوص اس صورت میں جب عوامی مینڈیٹ کے تقاضوں کو نظر انداز کردیا جائے۔ ہمارے ہاں عوام کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے ووٹ کا حق استعمال کریں۔ ان کے منتخب نمائندوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ عوام کی ان خواہشات کی تکمیل کریں جن کا اظہار عوام نے اپنے ووٹوں کی صورت میں کیا ہو۔ 18 فروری کو عوام نے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرکے یہ واضح کردیا تھا کہ انہیں سابقہ حکومت جس کے واحد مقتدر نمائندہ صدر مملکت رہے ہیں، کی پالیسیاں قبول نہیں۔ لیکن بتدریج جو صورتحال سامنے آرہی ہے، اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب کچھ امریکی گیم پلان کے عین مطابق ہے۔ البتہ عوام کو خوش رکھنے کے لئے گاہے بگاہے خوشنما بیانات جاری کردیئے جاتے ہیں اور بعض ایسے اقدامات کردیئے جاتے ہیں کہ بظاہر سب کچھ عوامی خواہشات کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ امریکی گیم پلان یہ تھا کہ کمزور ہوتے ہوئے اس کے اس نمائندے کو جو امریکی مفادات کی تکمیل میں پیش پیش رہا ہے، پیپلز پارٹی کے ذریعہ کمک پہنچائی جائے اور انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی، ق لیگ اور اس کے اتحادیوں پر مشتمل حکومت بن جائے۔ وہ تو درمیان میں، امریکی گیم پلان تشکیل دینے والوں کی توقعات کے برعکس مسلم لیگ (ن) بھی ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے درمیان میں کود پڑی۔ مسلم لیگ ن کے بارے میں لوگوں کو یہ خوش فہمی ہے کہ یہ امریکی دباؤ کے تحت چلنے والی سیاسی جماعت نہیں ہے۔ نواز لیگ نے ججوں کی بحالی کو اپنے منشور میں اولیت دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے معزول ججوں کی بحالی میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ہے۔ سیاسی جماعتیں ہمیشہ حالات کی لہر پر سوار ہوکر مقبولیت حاصل کرتی ہیں۔ لہٰذا نواز لیگ نے بھی یہی کیا ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسی سیاسی جماعت کے دور حکومت میں سپریم کورٹ پر حملہ کیا گیا۔ اس وقت اس حکومت کا یہ اقدام کیا عدلیہ کی بالادستی کے لئے تھا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے عوام کے مفاد میں فیصلے کئے جس کے نتیجہ میں عوام میں ان کی قدر و منزلت پیدا ہوئی اور اس میں اضافہ اس وقت ہوا جب انہوں نے ایک فوجی حکمران کی بات ماننے سے انکار کرنے کی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ وکلاء کی تحریک میں عوام کو اِسی چیز نے شامل ہونے پر آمادہ کیا اور انہوں نے اسے اپنی شمولیت سے اسے ایک تاریخی تحریک میں تبدیل کردیا۔ میاں نواز شریف عوام کے نبض شناس سیاستدان ہیں۔ انہوں نے الیکشن میں کامیابی کے لئے عوامی جوش و خروش کو کیش کرنا چاہا اور عدلیہ کی بحالی کو اپنی جماعت کا نمبر ایک ایشو بنالیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ چیف جسٹس سمیت ججوں کی بحالی سے عوام کو کتنا فائدہ پہنچے گا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عوام کے لئے ایشوز تو مہنگائی، بے روزگاری اور امن و امان وغیرہ ہیں۔ ابھی حال ہی میں میاں نواز شریف نے جو بیان دیا ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان عوامی ایشوز سے زیادہ اہمیت عدلیہ کی بحالی کا ایشو ہے۔

> **امریکہ کو سابقہ حکومت نے یہ تاثر دیا تھا کہ جسٹس افتخار محمد چودھری نے "دہشت گردوں" کو رہا کرنا شروع کردیا تھا اور آصف زرداری کو یہ خدشہ ہے کہ وہ بحال ہوتے ہی این آر او کو ختم کرنے کا فیصلہ صادر کردیں گے**

بہر حال امریکی گیم پلان کے کباب میں ہڈی بننے والے اس فیکٹر کو قومی ہم آہنگی اور قومی حکومت جیسے خوشنما اصطلاحات کی آڑ میں آصف زرداری کے ذریعے حکومتی اتحاد میں وسعت پیدا کرنے کے منصوبے کے ذریعے نکالنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ میڈیا نے بھی آصف زرداری کی تعریف میں کچھ زیادہ ہی ڈونگرے برسانے شروع کردیئے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ انہیں بابائے جمہوریت نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم سے تشبیہ دی جارہی ہے، حالانکہ نوابزادہ نے ہمیشہ اپوزیشن کی سیاست کی۔ نہ ہی وہ مسٹر ٹین پرسنٹ کے القاب سے نوازے گئے اور نہ ہی ان کی ذات سے کسی قسم کی بدعنوانی ظہور میں آئی کہ انہیں کسی حکومت سے این آر او کی صورت میں ریلیف حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

ایشوز کے حوالے سے پیپلز پارٹی کی قلابازیاں جاری ہیں۔ اعلان مری میں یہ طے کیا گیا تھا کہ حکومت میں آنے کی 30 دن کے اندر ججوں کو بحال کردیا جائے گا۔ حالانکہ یہ مسئلہ نہ ہی امریکہ گیم پلان کا حصہ ہے اور نہ ہی یہ معاملہ آصف زرداری کے حق میں جاتا ہے۔ امریکہ کو سابقہ حکومت نے یہ تاثر دیا تھا کہ جسٹس افتخار محمد چودھری نے دہشت گردوں کو رہا کرنا شروع کردیا تھا اور آصف زرداری کو یہ خدشہ ہے کہ وہ بحال ہوتے ہی این آر او کو ختم کرنے کا فیصلہ صادر کردیں گے۔ لہٰذا کبھی مائنس ون فارمولہ کی بات آتی ہے تاکہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی بحالی کو روکا جاسکے اور کبھی ججوں کو اس بات پر راضی کرنے کی کوششوں کی خبریں آتی ہیں کہ وہ اپنی بحالی کے فوراً بعد مستعفی ہوجائیں۔ دوسری طرف آصف زرداری خود اپنے خلاف کیسز کے سلسلے میں ان جج صاحبان کے رویوں کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ گویا کہ ججوں کی بحالی پیش نظر ہے ہی نہیں اور اس کے لئے جواز پیدا کرنا سیاستدانوں کے لئے کون سا مشکل کام ہے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ صدر مملکت کے حوالے سے بھی ہے۔ عوامی مطالبہ یہ ہے کہ انہیں باعزت طور پر مستعفی ہوجانا چاہئے۔ سیاسی جماعتیں بھی انہیں محفوظ راستہ دینے کے لئے راضی ہیں۔ لیکن پیپلز پارٹی ان کے ساتھ ورکنگ ریلیشن شپ جاری رکھنا چاہتی ہے۔ صدر مملکت کے مواخذہ کی تحریک نہ لانے کا جو عذر پیپلز پارٹی کی طرف سے پیش کیا گیا کہ اس مسئلہ پر ان کی حکومت کو دو تہائی اکثریت حاصل نہیں، وہ کافی تھا۔ لیکن وفاقی وزیر دفاع کے بیان سے بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے۔ انہوں نے صدر مملکت کو نہ صرف قومی اثاثہ قرار دیا بلکہ یہ کہہ کر انہیں بین الاقوامی لیڈر ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان کے تعلقات بین الاقوامی سطح پر ہیں۔ ان کا یہ بیان، جو کہ ایک پالیسی بیان ہے یا تو آصف زرداری کی طرف سے آنا چاہئے تھا یا وزیر اعظم کی طرف سے لیکن وزیر دفاع کی جانب سے یہ بیان آنا اپنے اندر ایک گہرا مفہوم رکھتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فوج سیاست سے تائب ہوچکی ہے، ان کے لئے یہ بیان چشم کشا ہونا چاہئے۔ یہ ایک فیلر چھوڑا گیا ہے اور یقیناً یہ فیلر میاں نواز شریف کے لئے نہیں بلکہ عوام کا ردعمل جاننے کے لئے ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ بے چارے عوام جنہیں مہنگائی، بے روزگاری اور امن و امان وغیرہ کے مسائل نے گھیر رکھا ہے، کب اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ موجودہ حکومت کے خلاف سڑکوں پر آسکیں۔ انہیں تو اب اگلے

انتخاب تک انتظار کرنا پڑے گا تا کہ وہ عوامی مینڈیٹ کے خلاف جانے والی حکومت کا بھی اسی طرح دھڑن تختہ کردیں جس طرح سابقہ حکومت کا حالیہ انتخابات میں کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ بہرحال عوام کے پاس تو ووٹ کا ہتھیار ہی ہے۔ ورنہ نہتے عوام حکومت کے خلاف کب سڑکوں پر آسکتے ہیں۔ صورتحال بالکل واضح ہوچکی ہے۔ سب کچھ امریکی گیم پلان کے عین مطابق ہورہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گیم پلان کیا سامنے آتا ہے۔ ”وہ اپنی چال چل رہے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کررہا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی عمر 24 سال، تعلیم بی اے، ایل ایل بی، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ (ذات پات کی قید نہیں)

برائے رابطہ، حاجی عبدالغفور: 042-5182916

☆ جٹ فیملی کو اپنی بیٹی جو ڈاکٹر ہے، باحجاب، عمر 23 سال کے لیے دینی مزاج کے حامل اعلیٰ تعلیم یافتہ، قرآن وسنت کا علم رکھنے والے لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔

برائے رابطہ: 051-4444372

☆ ہارون آباد کی رہائشی جٹ فیملی کو اپنے 25 سالہ بیٹے، تعلیم ڈی کام، دوسالہ رجوع الی القرآن کورس، ذاتی کاروبار کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ ذات پر کردار کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0334-7039151

رات 9 بجے کے بعد: 063-2252511

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی حیدر آباد کے امیر شفیع محمد لاکھو کے ہاتھ کا آپریشن ہوا ہے

☆ تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے معتمد محمد سمیع کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے

اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

o تنظیم اسلامی اورنگی ٹاؤن کراچی کے ملتزم رفیق توحید خان کے والد کا انتقال ہوگیا

o تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے منفرد رفیق محمد حامد محمود کی والدہ ماجدہ قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اذان کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات

انتخاب: فرید اللہ مروت

اذان سے آپ لوگ اچھی طرح آگاہ ہیں۔ یہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اگر آپ دنیا کے نقشے پر اک نگاہ ڈالیں اور بغور جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ کی زمین پر چوبیس گھنٹے اذان کی صورت میں توحید ورسالت کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔

انڈونیشیا زمین کے مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ انڈونیشیا کے بڑے شہر جاوا، ساٹرا، بورنیو سائبکل ہیں۔ سائبکل کی مشرقی سمت بمطابق مقامی وقت تقریباً پانچ بجے ہزاروں مؤذن نماز فجر کے لئے اذان دینے لگتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ مغربی انڈونیشیا کی طرف بتدریج بڑھتا جاتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک یہ سلسلہ سائبکل میں تکمیل پاتا ہے۔ پھر اذان جکارتہ میں گونجنے لگتی ہے اور پھر اس کے بعد ساٹرا میں اذان شروع ہوجاتی ہے۔

پیشتر اس کے اذان کی گونج انڈونیشیا میں اختتام پذیر ہو، ملائیشیا میں اذان شروع ہوجاتی ہے۔ اس بیچ میں اس کے بعد برما آتا ہے۔ اور جکارتہ میں اذان شروع ہونے کے ایک گھنٹہ کے اندر اندر یہ ڈھاکہ میں سنائی دینے لگتی ہے۔ اور بنگلہ دیش میں ابھی اس کی آواز ڈھاکہ جو بنگلہ دیش کا صدر مقام ہے میں خاموش نہیں ہوتی کہ مغربی ہندوستان کلکتہ سے سری نگر تک اذان فضا میں رس گھولنے لگتی ہے۔ پھر اذان کے دلنشین الفاظ ممبئی کا رخ کرتے ہیں اور اس طرح پورا ہندوستان اذانوں سے گونجنے لگتا ہے۔

سری نگر اور سیالکوٹ کے شمالی علاقہ میں جو پاکستان میں ہے، اذان بیک وقت شروع ہوتی ہے۔ سیالکوٹ، کوئٹہ اور کراچی میں وقت کا فرق 40 منٹ کا ہے۔ اور اس اثنا میں اذان فجر کے سحر آگین الفاظ پاکستان میں بسنے والے لوگوں کے کانوں میں امرت گھولتے ہیں۔ اور پیشتر اس کے کہ پاکستان میں اس کی سحر کاری اختتام کو پہنچے افغانستان اور مسقط میں اذانیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ مسقط اور بغداد میں وقت کا فرق ایک گھنٹہ ہے۔ اس کے ایک گھنٹے حجاز مقدس، یمن، متحدہ عرب امارات، کویت اور عراق کی فضاؤں میں اذان کا سفر جاری رہتا ہے۔

بغداد اور مصر کے شہر اسکندریہ میں پھر وقت کا فرق ایک گھنٹہ ہے۔ اس کے ایک گھنٹہ میں اذان فجر شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان کی طرف سفر جاری رکھتی ہے۔ مشرقی اور مغربی ترکی میں وقت کا فرق ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔ اذان کی گونج مسلسل اس فضا میں محوسفر رہتی ہے۔

اسکندریہ اور ٹریپولی جو لیبیا کا دارالحکومت ہے میں وقت کا فرق ایک گھنٹہ ہے۔ اس طرح مسلسل ایک گھنٹے تک تمام افریقہ میں اذان کے الفاظ فضاؤں میں اپنی مہک بکھیرتے رہتے ہیں۔

اس طرح توحید اور رسالت کی گواہی کا جو سفر انڈونیشیا سے شروع ہوا تھا، اب (بحر اکاہل) کے مشرقی ساحل تک ساڑھے نو گھنٹے بعد آن پہنچا۔

پیشتر اس کے کہ اذان کی گونج (اٹلانٹک) کے ساحل پر سنائی دے مشرقی انڈونیشیا میں اذان ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اور پیشتر اس کے کہ یہ ڈھاکہ میں پہنچے اذان عصر کا وقت ہوجاتا ہے اور ابھی یہ اذان بمشکل جکارتہ تک ہی سفر کرپاتی ہے کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد اذان مغرب کا وقت ہوجاتا ہے۔ اور ابھی اذان مغرب کا سفر ساٹرا تک ہی پہنچ پاتا ہے کہ سائبکل میں اذان عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اور جب انڈونیشیا کے مؤذن اذان فجر دے رہے ہوتے ہیں تو افریقی مؤذن عشاء کی اذان دے رہے ہوتے ہیں۔

اگر ہم ذرا اس بات پر غور کریں تو حیرت انگیز انکشاف ہمارے سامنے آئے گا کہ کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں جب روئے زمین پر ہزاروں مؤذن اللہ کی توحید اور عظمت کے گن نہ گا رہے ہوں۔

حتیٰ کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ لاکھوں کروڑوں لوگ اذان کے سحر آگین الفاظ سے اپنی سماعت کو فرحت بخش رہے ہوتے ہیں۔

(ڈاکٹر ممتاز عمر کی کتاب ”رمضان اور تراویح“ سے ماخوذ)

انقلابِ اسلامی کے محرکات

سید قاسم محمود

ایران میں اسلام کو مٹانے کا ایک اور حربہ ''سرکاری کمیونزم'' کے ذریعے اختیار کیا گیا۔ شاہ ایران کی پہلوی حکومت ہمیشہ براہ راست دربار کے ذریعے یا مختلف سماجی، ادبی اور علمی سوسائٹیوں، انجمنوں اور وزارتوں کے ذریعے عوام کے ایک طبقے کو ایسی انجمنوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی رہی جن پر ''ترقی پسند'' کا لیبل لگایا گیا تھا۔ ترقی پسند مصنفین، ترقی پسند وکلاء، ترقی پسند فن کار۔ اِن ترقی پسندوں کی تحریروں، تصویروں اور فن پاروں میں کہیں کہیں حکومت پر ہلکے پھلکے اعتراضات بھی نظر آتے تھے، لیکن بتدریج یہ لوگ بھی اشرافیت اور دہریت کے جال میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ پہلوی حکومت اور امریکی سامراج کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ یہ عناصر اُن کاموں اور مشغلوں میں سرگرم رہیں جو حکومت سے براہ راست متصادم نہیں ہیں۔ اور اگر تھوڑا بہت بے ضرر اعتراض ہو تو اُسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حکومت ترقی پسند عناصر کو ہر ممکن ذرائع اور وسائل فراہم کرتی تھی، بلکہ اُن کی مالی امداد کے لیے منصوبے بناتی تھی۔ حکومت کو یقین تھا کہ آخر ترقی پسند عناصر ایک نہ ایک دن سامراجی عزائم کے بھنور میں پھنس جائیں گے اور آئندہ اُن سے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت سرکاری طور پر اہتمام کرتی تھیں کہ ترقی پسند ادیبوں کی تخلیقات اور مصوروں کی نمائشیں سامراجی اداروں مثلاً ''انجمن ایران و امریکا'' وغیرہ میں پیش کی جائیں۔ انھیں سرکاری ٹیلی ویژن پر نمایاں انداز میں دکھایا جاتا تھا۔ ان کی تصاویر بین الاقوامی مقابلوں میں پیش کی جاتی تھیں اور عموماً ایوارڈ بھی حاصل کرتی تھیں۔

ترقی پسندوں کے افکار اور سرگرمیوں سے شبہ ہوتا کہ ایک کمیونسٹ تحریک وجود میں آ رہی ہے، لیکن حقیقت میں ایران کی کمیونسٹ تحریک ایسی تھی، جس کا فائدہ کمیونزم کی بجائے کمیونزم کے مخالف شہنشاہی نظام کو پہنچ رہا تھا۔

جھوٹی قوم پرستی

سامراجیوں نے اسلام کشی کے باعث پیدا ہو جانے والے خلاء کو پُر کرنے کے لیے ایک اور حربہ نیشنلزم یا قوم پرستی کا اپنانا۔ قوم پرستی کے معنی اگر ایک قوم کو اجتماعی طور پر متحد کرنے اور اُس کی قومی حیثیت کو اہمیت دینے کے ہیں تو اسلام میں ایسی قوم پرستی کی مذمت نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ اسلام قومیت کے مثبت پہلوؤں کو ماننے سے انکار نہیں کرتا، لیکن اس کے منفی پہلوؤں کی شدید مخالفت کرتا ہے۔

گزشتہ صدی میں قوم پرستی کی تحریک نے جو فتنے کھڑے کیے، اُس کا مقصد صرف ایک قوم کو بالاتر اور اصل ظاہر کر کے دوسری اقوام کو اُس کے ماتحت ثابت کرنا تھا۔ قوم یا اقوام کو متحد کرنا قوم پرستی کا مقصد نہیں تھا۔ خصوصاً مسلم ممالک

> **اسلام کی رُو سے حقیقی لبرل ازم انسان کا خدا کے علاوہ ہر شخص اور ہر شے سے آزاد رہنا ہے، مگر مغربی لبرل ازم کا مفہوم ہر شخص اور ہر شے کو استعمار اور بے خدا تہذیب کا غلام بنانا ہے**

میں مغربی استعمار نے جھوٹی قوم پرستی کی تحریکیں چلا کر انھیں انسانی اقدار سے محروم رکھنے کی کوشش کی۔

مُسلم ملکوں میں قوم پرستی کو رواج دینے سے سامراجیوں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے ساتھ مُسلم قوموں کا رابطہ ختم کر دیا جائے، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مُسلم ملکوں کے درمیان باہمی رابطے کی بنیاد (یعنی اسلام) خود بخود ختم ہو جائے گی یا کمزور پڑ جائے گی، کیونکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ قومیت کی دیوار کو ہٹا کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متحد کر کے عظیم طاقتور ''امتِ واحدہ'' کی شکل دے سکتا ہے۔ اسی مقصد سے عالمی سامراج نے خطرے کا احساس کرتے ہوئے وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا اور کوششیں شروع کر دیں، تا کہ مسلم ملکوں کے درمیان رشتۂ وحدت کو ختم کیا جائے اور رفتہ رفتہ قوم پرستی کو اسلام پر فوقیت حاصل ہو جائے۔

چنانچہ ایران میں اسلام کشی کے ساتھ ساتھ ایرانی قوم پرستی کی تحریک کا بھی آغاز ہُوا اور یہ تحریک مختلف شکلوں میں جاری رہی۔ شاہ ایران کی پہلوی حکومت کے عہد میں ادبیات و ثقافت کے ماہرین نے بارہا یہ کوشش کی کہ فارسی رسم الخط بدل کر اُس کی جگہ لاطینی رسم الخط رائج ہو جائے۔ یہ اقدام اسلامی ثقافت کے ساتھ بہت بڑی خیانت تھی، اس لیے کہ اسلامی ثقافت کا بہت بڑا حصہ فارسی رسم الخط ہی میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اِس اقدام کو بھی ایرانی قومیت ہی کو نہیں، بلکہ ایران میں اسلام کو مٹانے کی تحریک بھی خیال کیا گیا۔ ایرانی قومیت کے حامیوں نے عربوں کے خلاف بھی بڑی شدت سے، تابڑ توڑ حملے کیے، حالانکہ عرب تو اسلام کا گہوارہ ہے۔ عرب و عجم کی کشمکش کو ایرانی قوم پرستوں نے مٹانے کی بجائے، ہوا دینے کی کوشش کی۔ اُن کی پروپیگنڈا مُہموں میں مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ جنگوں کے تذکرے کیے جانے لگے۔ کوشش کی جاتی تھی کہ ایرانی قوم کے سامنے عربوں اور اسلام کا چہرہ اس طرح بگاڑ کر پیش کیا جائے کہ عام ایرانیوں میں اسلام اور عربوں کے خلاف منافرت پیدا ہو اور ایرانی عوام کا رجحان رفتہ رفتہ ایرانی قومیت کی طرف پختہ ہو جائے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شاہ ایران کی پہلوی حکومت ایرانیوں کے ذہن پر اسلامیت کی بجائے جس قومیت کا نقشہ جما رہی تھی، وہ بھی حقیقی ایرانی قومیت نہیں تھی، بلکہ وہ سامراجی، مغربی تہذیب کے ذریعے ایک مسخ شدہ قومیت تھی جس پر ایرانی قومیت کا ملمع چڑھا دیا گیا تھا۔

گزشتہ صدی کے نصف ثانی میں ایرانی عوام نے اپنے ملک کی تاریخ میں جھوٹی قوم پرستی کا بڑا تلخ تجربہ کیا تھا۔ ''جبہہ مِلی (نیشنل فرنٹ) جو ایرانی قوم پرستی کی سب سے بڑی داعی سمجھی جاتی تھی، اس نے خود شاہ پور بختیار جیسے افراد کو پروان چڑھایا، جس نے ایرانی تاریخ کے نازک ترین لمحوں میں، آگے بڑھ کر امریکا کی مدد کی اور امریکا کے مفاد کے لیے ایرانی قوم سے غداری کی اور امریکا کی پٹھو حکومت کی وزارتِ اعظمیٰ قبول کر کے عوام کو فریب دینے کے لیے اپنے بہت ہی مختصر دورِ وزارت میں ''قومیت'' کا راگ الاپتا رہا۔ ''پان ایران ازم'' کی تحریک نے بھی قومیت اور قوم پرستی کے نعروں کے پردے میں امریکا کی بڑی خدمات انجام دیں اور پہلوی حکومت کے عزائم و جرائم کی غلط تاویل و توجیہہ کر کے ایران اور ایرانیوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی وہ افراد اور وہ تحریکیں جو اپنے نیشنلسٹ ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، ہمیشہ عوامی تقاضوں کے خلاف امریکیوں کے مفادات کے لیے کام

کرتی رہی ہیں۔

ایران کے علاوہ دوسرے مسلم ملکوں میں بھی قوم پرستی کی تحریکوں نے امتِ مسلمہ کے اتحاد کو نقصان اور مغربی استعمار کو فائدہ پہنچایا ہے۔ عرب ممالک میں ''پان عرب ازم'' اور ترکی میں ''پان ترکی ازم'' فقط حقیقی اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے وجود میں آئی ہیں اور مغربی سامراج کے مفادات کا تحفظ کرنے والے حربوں کی حیثیت سے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ امریکا کی پٹھو حکومتوں نے قومی ثقافت کے بہانے فی الحقیقت سامراجی ثقافت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ایران میں پہلوی حکومت نے ایران کے قدیمی (زرتشتی اور مانوی) رسوم و روایات کو نام نہاد مغربی اور امریکی ایران شناس افراد کی مدد سے زندہ کرنے کی بہت کوششیں کیں اور اس کے لیے بے دریغ دولت صرف کی۔ اسلامی تاریخ کی بجائے شہنشاہی تاریخ کو رواج دینے کا مقصد بھی یہی تھا۔ شاہ ایران کو ڈیڑھ ہزار سالہ اسلام پر ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کو ترجیح دینے پر بڑا غرور تھا۔

مغربی لبرل ازم

لفظ لبرل ازم (آزاد خیالی) بھی لفظ سامراج یا استعمار کی طرح مسلم ملکوں کے لیے بہت سی خرابیوں اور بدبختیوں کا شکار رہا ہے۔ مغرب زدہ افراد کی نظر میں اس کا ایک خاص مفہوم ہے۔ حالانکہ حقیقی لبرل ازم اور مغربی لبرل ازم کے درمیان کافی فرق ہے۔ جس طرح ''استعمار'' کے اصلی اور لغوی معنی معاشرت و آبادی کے ہیں، مگر استحصال پسندوں نے اس حسین نام کے پردے میں بجائے معاشرت و آبادی کے، اپنے زیرِ اثر علاقوں میں لوٹ کھسوٹ اور غارت گری مچا رکھی ہے۔ اسی طرح لبرل ازم کے معنی و مقصد آزادیٔ فکر ہے۔ لغوی اعتبار سے ''لبرل'' وہ شخص ہے جو آزادیٔ فکر کا طالب ہے۔ مگر افسوس کہ یہ لفظ بھی استعمار کے پیچ و خم سے دوچار ہو کر سامراجیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا اور اپنے اصل معنی یعنی آزادی کا مفہوم کھو بیٹھا اور عملاً یہ لفظ ''لبرل'' اس مفہوم میں استعمال ہونے لگا کہ انسان اپنی تمام ذمہ داریوں اور فرائض سے آزاد ہو کر جدید استعمار و استحصال کی قید میں اسیر ہو کر رہ جائے۔

اسلام کی رُو سے حقیقی لبرل ازم انسان کا خدا کے علاوہ ہر شخص اور ہر شے سے آزاد رہنا ہے، مگر مغربی لبرل ازم کا مفہوم ہر شخص اور ہر شے کو اپنا غلام بنانا ہے۔ مغربی دنیا میں آج آزاد خیالی کے سایے میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جس کی تقلید مسلم ممالک کے مغرب زدہ افراد کر رہے ہیں، اور اسے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا نام دیا جا رہا ہے، اُس کا مقصد انسان کو قوانینِ خداوندی سے آزاد کر کے مادیت کا غلام بنانا ہے۔ مغربی لبرل ازم در حقیقت انسان کو الٰہی فطرت سے حیوانی خصلت کی طرف دعوت دے کر انسان کو آزادی کے نام پر ہوا و ہوس کا شکار بنا دیتا ہے۔

ایران میں دانستہ یا نادانستہ اسلام کو مٹانے کے سلسلے میں پہلوی حکومت کے اہم منصوبوں میں سے ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ وہ ایرانی عوام کو مغربی لبرل ازم کا شیدا بنا کر انہیں خداوند تعالیٰ کی عبادت و عبودیت اور الٰہی قوانین سے دُور کرنا چاہتی تھی جو اسلامی تہذیب کا اصل سرمایہ ہیں تاکہ سامراجی اپنے ناپاک مقاصد آسانی سے حاصل کر سکیں۔

انقلاب کا اصل محرک

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب اسلامی کا اصلی محرک شہنشاہیت اور آمریت کا خاتمہ کر کے حکومتِ اسلامی کا قیام اور حقیقی اسلام کے نفاذ کے لیے ایرانیوں کا اٹل ارادہ تھا۔ ایرانی قوم گزشتہ ایک صدی سے مسلسل اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوشاں تھی۔ اس کے لیے اُس نے بے انتہا جانی و مالی نقصانات برداشت کیے تھے، اِس کے باوجود کہ اُنہیں پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ اسلام دشمن، سامراجی عناصر نے اِس مدت میں جو تجربات کیے ہیں، اور اِن تجربات کی روشنی میں انہوں نے اسلام مٹانے کے لیے جو منصوبے تیار کیے ہیں، اُن کی مدد سے اب وہ بڑی آسانی سے اسلامی تہذیب و ثقافت کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ اِن حالات میں اب حق و راستی کے لیے جدوجہد کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ دریں حالات ایران میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب پہلوی حکومت نے اور بالخصوص شاہ ایران نے امریکا کے ساتھ مل کر اسلام دشمنی کا عزم کر لیا اور امریکی سامراجی کے بنائے ہوئے منصوبوں پر سختی کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیا تو اسلامی حکومت کے قیام کا خواب اور بھی ناممکن ہو گیا تھا۔

دوسری طرف اسلام پسند عناصر، قوم پرستوں اور دوسرے نام نہاد قومی لیڈروں کے غلط رویے اور اُن کے تلخ تجربات کی بناء پر، کسی ایسی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لینے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے جو اسلام سے دُور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ 19 اگست 1953ء کی فوجی بغاوت سے لے کر 1961ء یعنی خمینی کی تحریک کے آغاز تک اس ملک میں کوئی بھی نمایاں تحریک وجود میں نہیں آئی۔ ہر چند قوم پرست اور کسی حد تک مذہبی جماعتیں کبھی کبھی تحریک جاری کرنے کی خواہش مند نظر آتی تھیں۔

آیت اللہ خمینی اسلام کے علمبردار تھے اور ایرانی عوام اُن کی تحریک کو الٰہی تحریک سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسلامی عناصر اور قوتوں کو یکجا کرنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ خمینی ایرانی قوم کو، جسے امریکا اور اس کے پٹھو شاہ ایران نے، اپنے حربوں اور ہتھکنڈوں سے سیاست اور سیاسی مسائل سے بے نیاز بنا دیا تھا، حرکت میں لے آئے اور انہیں پہلوی حکومت اور درحقیقت سامراج سے مقابلہ جوئی کے لیے تیار کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ایرانی عوام نے 5 جون 1963ء کو پہلوی حکومت کی جانب سے خمینی کی گرفتاری کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے، ایران کی تاریخ میں ایک ایسا زبردست اور عظیم احتجاجی مظاہرہ ثبت کر دیا جو عوامی تحریک مزاحمت ہونے کے اعتبار سے بے نظیر تھا۔ ایران کی تاریخ میں غیر مذہبی طاقتوں کی جانب سے اِس طرح کا کوئی مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ 5 جون 1963ء کا مظاہرہ صرف اور صرف اسلامی جذبے کے تحت تھا اور یہ ایک ایسی عظیم تحریک کا نقطۂ آغاز تھا جو آخر کار 11 فروری 1978ء کو ''انقلابِ اسلامی'' کے نام سے کامیاب ہوئی۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا اصلی محرک، اسلام کے احیاء، اسلامی حکومت کے قیام اور اسلام کے احکام و قوانین کے نفاذ کا جذبہ تھا۔

دوسرے محرکات

اس سے پہلے کے ایران میں ''انقلابِ اسلامی'' کے احیائے اسلام کے سوا دوسرے محرکات کا جائزہ لیا جائے، ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، اور وہ یہ جس وقت ''اسلامی حکومت'' کے قیام کی بات سامنے آتی ہے تو یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اسلامی حکومت کے خدوخال اور نظام اور نمایاں پہلو کیا ہوں گے اور اُصولی طور پر ایسی حکومت کی ماہیت کیا ہو گی؟ مغرب کے دانشوروں نے دنیا کے سامنے ایک ''اسلامی حکومت'' کا جو نقشہ پیش کر رکھا ہے وہ انتہائی غلط ہے۔ اسلامی حکومت کے متعلق ایسا تصور اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اسلام بھی عیسائیت یا دوسرے مذاہب کی مانند ہو، جن میں صرف ''آسانی'' مسائل پائے جاتے ہیں اور عوامی و دنیاوی مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہیں، جبکہ اسلام ایک ایسا مکمل دین ہے جس کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ اسلام عبادات کے علاوہ اقتصادی، عسکری، سیاسی اور معاشرتی، غرض انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے براہِ راست ربط و تعلق رکھتا ہے۔

چنانچہ ایران میں ''انقلابِ اسلامی'' کا اصلی محرک یہی تھا کہ ایرانی عوام صرف ایک حقیقی ''اسلامی حکومت'' قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن معنوی محرکات کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور عسکری محرکات بھی اُن کے پیشِ نظر تھا۔ پہلوی حکومت سے نجات پانے کے بعد بھی محرکات اور عوامل اُن کے پیشِ نظر تھے، جن پر قدرے تفصیل سے آئندہ شمارے میں روشنی ڈالی جائے گی۔

(جاری ہے)

شاباش! ڈاکٹر بابر اعوان

خواجہ مظہر نواز صدیقی

یہ ہوئی نا بات...... ارادوں کے سچے اور دُھن کے پکے لوگ ہی کامیاب وکامران ٹھہرتے ہیں۔ جب نیت میں اخلاص اور دل میں رضائے الٰہی کے حصول کی شمع روشن ہو تو خالق کائنات ازخود رہبر و رہنما بن جاتا ہے، تب مخالفتیں ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتی ہیں۔ تاریکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُجالوں میں بدل جاتی اور روشن کرنیں مقدر آ ٹھہرتی ہیں۔ ہمیں آج دل کی گہرائی سے سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان کا پیشگی شکریہ ادا کرنا ہے، جن کی کوششیں غیر مسلموں کے لئے پہلا پتھر اور مسلمانوں کے لئے بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوں گی۔ ان سطروں میں محترم ڈاکٹر بابر اعوان کو بھر پور شاباش دینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ انہوں نے پاکستان کے مسلمانوں کو اصلاً اور اُمت مسلمہ کو عملاً ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ انہوں نے حقیقت میں نئی نسل کو کرنے کا ایک نیا کام دے کر مذہبی پیشواؤں اور سکالروں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور انہیں سوچنے اور کچھ کر دکھانے کا عزم اختیار کرنے اور اس کی رسم ڈالنے کی ابتدا کر دی ہے۔ ڈاکٹر بابر اعوان کو شاباش اور پوری قوم کو مبارک باد دینے کے لئے ہمارے الفاظ اور جذبات شاید کم پڑ جائیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ان کے ساتھ رہے گی۔ ہم اپنے طور پر ہمیشہ اسلام اور عالم اسلام کی بھر پور نمائندگی پر بھارت کے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ دور اور حالات میں محترم ڈاکٹر ذاکر نائیک اللہ تعالیٰ کا ہم سب پر خاص فضل ہیں جو اپنے دلائل سے اسلام اور عالم اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا تسلی بخش جواب دے کر ہمارے سر فخر سے بلند کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر بابر اعوان نے توہین رسالت کے مرتکب افراد و قوموں اور توہین قرآن پاک کی جسارت کرنے والوں کو ایک کھلا چیلنج پیش کیا ہے۔ یہ چیلنج محبان رسول ﷺ کے لئے کسی بیش قیمت خوش خبری سے کم نہیں۔ ڈاکٹر بابر اعوان نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں منعقدہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا گزشتہ چند سالوں سے بین الاقوامی سطح پر مسلم تہذیب کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کو ناپسندیدہ اور انتہا پسند قوم کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت مسلمان حکومتوں، سکالرز اور اداروں کو چاہیے کہ وہ مصلحت کی چادر اتار پھینکیں اور اسلام کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مسلمان حکمرانوں اور عوام کو معذرت خواہانہ رویہ ترک کر کے پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اترنا چاہیے۔ ڈاکٹر بابر اعوان نے زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے سکتے مگر فلم کا جواب فلم، کتاب کا جواب کتاب اور سی ڈی کا جواب سی ڈی کے ذریعے دے سکتے ہیں۔

قارئین! ہر گزرتے وقت اور بدلتے دن کے ساتھ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت و افادیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کے گلوبل ویلیج بننے سے فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ پل پل کی خبروں سے کروڑوں ناظرین باخبر ہو رہے ہیں۔ ڈنمارک میں توہین رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے ساتھ عالم اسلام میں شدید اشتعال پیدا کیا۔ اس دوران ہالینڈ کے ایک رکن پارلیمنٹ گیرٹ وائلڈرز نے توہین قرآن پر مبنی فلم کو ریلیز کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ عالمی سطح پر ایک صیہونی سازش کے طور پر کر کے عالم اسلام کے جذبات سے کھیلا گیا۔ ان دونوں واقعات نے مسلمانوں کو احتجاج کی راہ پر مجبور کیا۔ عوامی سطح پر بے شمار ایسی قرار دادیں منظور کی گئیں کہ ڈنمارک اور ہالینڈ کے سفیران کو مسلمان ملکوں سے نکال باہر کیا جائے۔ ڈنمارک اور ہالینڈ کے ان گستاخ ذمہ داران کے خلاف اقوام متحدہ کو سخت ایکشن لینا چاہیے۔ نیز ان ممالک کا بائیکاٹ اور ان کی مصنوعات کا بھی مکمل بائیکاٹ کیا جانا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ احتجاج کی یہ لہر ابھی تک رواں دواں ہے۔ ان ممالک کے پرچم پاؤں تلے روندے اور گستاخیوں کے مرتکب افراد کے پتلے نذر آتش کرنے کا سلسلہ بھی ہنوز جاری ہے۔ اس تمام کے باوجود مسلمانوں کے جذبات اور غصہ میں کمی نہیں آ رہی۔ اسلام، انبیاء کرام اور آسمانی کتاب کے خلاف پروپیگنڈے کو ایک غیرت مند، حیا اور ایمان والا مسلمان کسی طور پسند نہیں کر سکتا۔ ایسے میں اللہ رحمان و رحیم نے سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان کو توفیق دی کہ انہوں نے اس پروپیگنڈے کا جواب دینے کا اعلان کر کے بے چین روحوں اور بے قراروں کو ایک اُمید دی ہے کہ ہم اللہ رحمٰن و رحیم کے دین، دین اسلام کے حقیقی پیروکار ہیں، وہ رحمان و رحیم جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

معروف سکالر، قانون دان، سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان نے اعلان کیا ہے کہ ہم گیرٹ وائلڈرز کی جھوٹی، متنازعہ، من گھڑت، انتہائی اشتعال انگیز اور گستاخانہ فلم کے مقابلے پر دستاویزی فلم تیار کریں گے، گیرٹ وائلڈرز کی فلم نے ہمارے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ ہم دستاویزی فلم کو تین زبانوں انگریزی، عربی اور اردو میں بنائیں گے۔ اس فلم سے قرآن کا حقیقی پیغام دنیا تک پہنچایا جائے گا۔ خاص بات یہ بھی بتائی گئی کہ یکم رمضان المبارک کو اس فلم کو سعودی عرب میں ریلیز کیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب کے چیلنج قبول کرنے کے اعلان سے تمام دنیا کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

گزشتہ روز مرکز یہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام الحمرا ہال لاہور میں یوم اقبال کی تقریب میں روزنامہ نوائے وقت کے ایڈیٹر محترم مجید نظامی نے ڈاکٹر بابر اعوان کو شاباش دی اور ان کے عملی اقدامات کو سراہا۔ ان سطروں میں ہم بھی ڈاکٹر بابر اعوان کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ہماری ایک مستقل اُلجھن کو دور کرنے کی سعی کا آغاز کیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اسلام، انبیاء کرام اور قرآن پاک کی توہین جیسے مکروہ پراپیگنڈوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔ یقیناً اس دستاویزی فلم سے یہ پیغام ملے گا کہ دین اسلام کی تعلیمات امن، سلامتی اور ہم آہنگی پر مشتمل ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے نام لیواؤں پر تشدد کا لیبل لگا کر انہیں خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اُمت مسلمہ میں ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ڈاکٹر بابر اعوان جیسے افراد مزید پیدا کرے جو مغرب کے اسلام مخالف پراپیگنڈوں کا مؤثر انداز میں جواب دے سکیں (آمین) ہمیں یہ دعا بھی ضرور کرنی چاہیے کہ ڈاکٹر بابر اعوان نے جس لگن، محنت و اخلاص سے اس دستاویزی فلم کو بنانے کا ارادہ و اعلان کیا ہے، اللہ پاک انہیں استقامت عطا فرمائے اور ان کی خاص مدد فرمائے تاکہ وہ اس نیک مشن میں سرخرو، کامیاب و کامران ٹھہریں۔ (آمین!)

اختلاف رائے یا دین میں وسعت

نظر حجازی

(گزشتہ سے پیوستہ)

یہ بات ہمیں معلوم ہوئی کہ اختلاف رائے انسانی فطرت ہے۔ ایک ہی قالب میں تمام انسان ڈھل نہیں سکتے، البتہ وہ اختلاف جو تفرقے کا باعث بنے، وہ مذموم اور ممنوع ہے۔ اختلافات کی وجہ سے تاریخ کے صفحات میں خون آلود کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ تاریخ اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔ ماضی میں جھانکنے کا اب کوئی فائدہ نہیں رہا۔ ہمارا حال اس قدر پریشان کن ہے کہ امت کو مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ان چیلنجوں سے اگر نمٹنا ہے تو ماضی کی خونیں تاریخ کو بھلا کر نیا آغاز کرنا ضروری ہے۔ ماضی میں پیش آنے والے واقعات اور اسباب اب ماضی کا حصہ ہیں جنھیں اب یاد کرنے اور دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان میں کون حق پر تھا، کون غلط، اس کا فیصلہ ہم نے اپنے ذمے کیوں لے لیا ہے۔ ان کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہم نہیں۔ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں جو ہر صاحب حق کو اس کا اجر دے گا۔ وہی نیتوں کے حال سے واقف ہے۔ ”وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا، وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے، وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے“ (البقرہ 134)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے جب قرونِ اولیٰ کے دور فتن کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ”ان لوگوں کے خون سے ہمارے ہاتھ پاک ہیں، ہم اپنی زبان کو کیوں آلودہ کریں۔“ (مبادی التقریب بین المذاہب الاربعہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

اُمت مسلمہ میں تفرقہ

ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس مکتب فکر سے چاہے رجوع کرے، جس کی چاہے تقلید کرے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہی حق پر ہو اور باقی سب کو گمراہ قرار دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے“ (النجم:32)۔ خود کو برحق اور دوسرے کو گمراہ قرار دینے والا اُمت میں تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس عمل کی مذمت کی گئی ہے۔ تفرقہ بندی اور لسانی اور گروہی تعصب جاہلیت کے نعرے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی صریح ممانعت ہے۔

ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگیں ہوئی تھیں۔ اسلام کی برکت سے وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ اخوت اور مودت کا یہ ماحول یہودیوں کو کھٹکتا رہا، لہٰذا وہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ مدینہ منورہ انصار کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے والا پہلا شخص یہودی تھا، جس کا نام شاس بن قیس تھا جسے انصار کی اخوت اور محبت کھٹکتی رہی۔ اوس کے پاس جا کر انہیں خزرج کے بارے میں اکساتا اور شعر پڑھ کر انہیں ان کی خونی تاریخ یاد دلاتا۔ اسی طرح خزرج کے پاس جا کر انہیں اوس کے بارے میں اکساتا یہاں تک دونوں گروہ اس کے بہکاوے میں آگئے اور پھر وہ موقع آیا جس میں اوس اور خزرج آمنے سامنے آگئے۔ اوس کے لوگوں نے نعرہ بلند کیا: ”اوس کے لوگو! اپنے قبیلے والے کی حمایت کرو“ اور خزرج نے نعرہ لگایا: ”اے خزرجیو! اپنے قبیلے کے لوگوں کی مدد کرو“۔ قریب تھا کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ بھڑ جاتے مگر عین وقت پر رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور دونوں گروہوں کی سخت سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ”جاہلیت کے نعرے بلند کرتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں“۔ آپؐ نے انہیں قرآن مجید کی آیات سنائیں، یہاں تک دونوں گروہ رو پڑے اور ایک دوسرے سے معانقہ کیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی یہ آیات نازل فرمائیں: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے، جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول ﷺ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا“۔ (آل عمران:100،101)

غور کیا جائے تو شاس بن قیس کسی نہ کسی صورت میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے جو امت کے افراد کے درمیان تفرقہ ڈالنے پر تلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ امت تفرقہ میں پڑ جائے تاکہ اندر سے کھوکھلی ہو اور اس پر حملہ کرنا آسان ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی“ (الانفال:46)۔ اسی طرح کی ہدایت رسول اکرم ﷺ سے ملتی ہے: آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے امتوں کے اختلاف ہی نے انہیں ہلاک کیا (بخاری)۔ شاس بن قیس جیسے لوگ امت کو گروہوں میں بانٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کبھی ان کا نعرہ سنی شیعہ کا ہوتا ہے تو کبھی حنفی، مالکی کہتے ہیں۔ کبھی مقلد اور غیر مقلد کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو کبھی دیوبندی اور بریلوی کی صدا لگاتے ہیں۔ امت کے تمام مکاتب فکر کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی گروہی عصبیتوں کو فروغ دینے والوں سے ہوشیار رہیں۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جس میں امت کے خلاف تمام دشمن طاقتیں متحد اور یکجا نظر آتی ہیں۔

یورپی ممالک ہمارے لیے مثال ہیں۔ آج یورپی ممالک آپس میں متحد ہیں، جب کہ ان کی خونی تاریخ کافی طویل ہے۔ یورپی ممالک نے ماضی کو بھلا کر متحد ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا ایک امت سے تعلق رکھنے والے لوگ یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایک ایسی امت جس کا رب ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور کعبہ ایک ہے۔ یہ امت کیوں ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یورپی ممالک میں کوئی قدر مشترک نہیں اس کے باوجود وہ متحد ہیں، جب کہ اُمت مسلمہ خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو، وہ کیوں متحد نہیں ہو سکتے حالانکہ ان کے درمیان کئی مشترکہ اقدار ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں امت کے افراد جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اختلافات کے باوجود متحد ہوں کیونکہ وہ تاک میں بیٹھے دشمن سے علیحدہ علیحدہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اعتدال کی راہ

امت کے افراد کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جمع ہوں۔ آج اُمت میں ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی جو روش چل پڑی ہے، وہ انتہائی خطرناک ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”جس نے کسی شخص کو کافر کہا تو کفر ان میں سے کسی ایک شخص کو لاحق ہوگا“ (متفق علیہ)۔ گویا اگر کسی نے کسی کو کافر کہا اور وہ کافر نہ ہو تو کفر اسی کو لاحق ہوگا، جس نے

یہ کلمہ دوسرے کے لیے استعمال کیا ہو۔ امام ابن تیمیہؒ کا ایک زریں قول ملاحظہ کریں: ’’مسلمانوں کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ وہ ایک دوسرے کی امامت میں نماز پڑھیں گے جس طرح صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کے بعد ائمہ اربعہ کا بھی اسی پر اتفاق رہا۔ جو شخص اس اجماع امت کا انکار کرے تو وہ مبتدع، گمراہ اور کتاب و سنت کے علاوہ اجماع المسلمین کا مخالف ہے‘‘۔ (الاختلاف بالتی ھی احسن، رجب ابو ملیح)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے ابن ماجہ میں منقول ہے۔ آپ نے صلہ بن زفر سے کہا: ’’اسلام کی تعلیم عام ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جس میں لوگوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ نماز، روزہ، صدقہ اور دیگر عبادات کیا ہیں، حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیات تک لوگوں کو یاد نہیں رہیں گی۔ پھر جو بچے، بوڑھے اور خواتین ہوں گی، وہ کہیں گے: ہمارے باپ دادا، لا الہ الا اللہ، کہا کرتے تھے، لہٰذا ہم بھی اسی کلمے کا اقرار کرتے ہیں‘‘۔ اس پر صلہ بن زفر نے کہا: ’’محض لا الہ الا اللہ کہنا ان کے کس کام کا، جب کہ انہیں نماز، روزہ اور دیگر عبادات کا علم ہی نہیں۔ یہ سن کر حضرت حذیفہؓ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ بار بار دہرانے کے بعد حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا ’’یہ کلمہ انہیں آگ سے بچانے کے لیے کافی ہوگا‘‘ (حاکم)۔ گویا اس کلمے کا اقرار انہیں جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی صورت حال کا مشاہدہ سقوطِ اندلس کے بعد اور سوویت یونین کے دور میں دیکھا جا چکا ہے، جب حکومت نے اسلام اور اس کے تمام شعائر پر پابندی لگا دی تھی۔ وہاں کے لوگوں کو اتنا علم تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں۔ محض اس کلمے کی وجہ سے ان شاء اللہ وہ جہنم سے بچا لیے جائیں گے۔

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام ایک وسیع الظرف دین ہے اور یہ وسعت ظرفی ہمیں اپنے اندر بھی پیدا کرنی چاہیے۔ اختلافات رکھنے کے باوجود ہمارے اندر بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں متحد کر سکتی ہیں۔ اس اتحاد کے بغیر ہم اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

علمائے امت نے اختلاف رکھنے کے باوجود تعاون کرنے کا ایک زریں اصول وضع کیا جس کے الفاظ ہیں: ’’اتفاق رائے پر ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اختلاف رائے پر ایک دوسرے کی رائے کا جواز تسلیم کریں‘‘۔ اس قاعدے و کلیے کو یوں بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے کہ ’’متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ کریں‘‘۔ ان قواعد کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ اختلاف آخر کیوں پیدا ہوتا ہے۔

اختلاف رائے کی وجوہات

اختلاف رائے کی کئی وجوہ ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے ’’کوئی بھی امام اجتہادی مسائل میں رسول اکرم ﷺ کی کسی صریح حدیث سے عمداً اختلاف نہیں کرتا۔ اختلاف میں وہ معذور ہوتا ہے جس کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں: ایک یہ کہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اکرم ﷺ نے نہیں فرمائی۔ دوم یہ کہ اس حدیث کا اس معاملے پر انطباق نہیں ہوتا، اور سوم یہ کہ اس کا خیال ہوتا ہے کہ حدیث میں بیان کیا جانے والا حکم منسوخ ہے‘‘ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ، ج 20، ص 232)۔ امام ابن تیمیہؒ کا ایک اور جگہ پر یہ قول بھی منقول ہے: ’’اسلام کا کوئی بھی مسئلہ جس میں علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہو مگر اس اختلاف کی وجہ سے تفرقہ، دشمنی اور منافرت پیدا نہ ہوئی ہو تو یہ مسئلہ اسلام کے عین مصلحت کے مطابق ہے، جب کہ جس مختلف فیہ مسئلے میں تفرقہ پیدا ہو، لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت پیدا ہونے لگے تو جان لو کہ اس مختلف فیہ مسئلے کا دین سے کوئی تعلق نہیں‘‘۔ (الاختلاف بالتی ھی احسن، رجب ابو ملیح)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’ممکن ہے کہ کسی مسئلے پر آپ کے پاس صریح حدیث موجود ہو مگر وہ حدیث میرے پاس نہ ہو۔ ممکن ہے یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہو مگر میں اسے ضعیف سمجھتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی حدیث دونوں کے پاس ہو اور دونوں اس کی صحت پر متفق ہوں مگر اس حدیث کو آپ اپنے طور پر سمجھ رہے ہیں اور میں اپنے طور پر۔ اس مسئلے میں اختلاف نصِ حدیث سے نہیں، بلکہ آپ کی رائے سے ہوگا‘‘ (مبادی التقریب بین المذاہب الاربعہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی)۔ ائمہ کے درمیان اختلاف فطری اور طبعی ہے۔ تمام لوگوں کو ایک قالب میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد کہا کرتے تھے: ’’علماء کے درمیان آراء میں اختلاف وقت اور مصلحت کے مطابق ہے۔ ان کا اختلاف دلیل اور برہان پر نہیں‘‘۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف تفرقے کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔

اختلاف رائے کے دیگر اسباب میں ایک سبب عامۃ الناس میں پایا جاتا ہے جس سے علمائے حق مبرا ہیں، اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے امام کی رائے کو بالا اور دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل جاتے ہیں۔ اپنی رائے کو حق ماننے پر عناد اور اصرار کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا مقصد حق کو ظاہر کرنا اور اس کی اتباع کرنا نہیں بلکہ اپنی رائے کو دوسرے پر مسلط کرنا ہوتا ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختلافی مسائل کو علمائے حق کی کتابوں سے تلاش کر کے اس کے جواز اور عدم جواز پر فیصلہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام الناس کی رائے سن کر وہ اپنا فیصلہ قائم کرے۔

اتفاق رائے کی بنیاد

جس قاعدے و کلیے کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ ’’اتفاق رائے پر ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اختلاف رائے پر ایک دوسرے کی رائے کا جواز تسلیم کریں‘‘ یا پھر ’’متفقہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ کریں‘‘، اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امت کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن میں علماء کے درمیان اتفاق ہے اور جن میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔

تمام مکاتب فکر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کو سب مانتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ سب کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کسی بھی تحریف اور تبدیلی سے پاک ہے۔ تمام ارکان اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر سب کا اتفاق ہے خواہ وہ سنی مکاتب فکر ہوں یا شیعہ۔ اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ کتاب و سنت شریعت کا اصل الاصول ہے۔ اسی سے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں۔ کوئی بھی عالم اجتہاد کر سکتا ہے۔ اس میں اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی یکجہتی میں اس کی قوت اور تفرقے میں اس کی کمزوری ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر جن باتوں میں اختلاف ہے ان پر مکالمہ کیا جا سکتا ہے اور جس بات میں اختلاف ختم نہ ہو سکے اس میں ایک دوسرے کی رائے کے جواز کو تسلیم کریں۔ ہم اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں، ایک دوسرے کو گمراہ قرار نہ دیں، ایک دوسرے کو فاسق نہ کہیں۔ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کریں اور متنازع مسائل کو نہ چھیڑیں۔ ایک دوسرے کو اس کا اپنا مسلک اختیار کرنے کی آزادی دیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور سوءِ ظن کی بنیاد پر پہلے ہی سے کسی کے بارے میں فیصلہ نہ کریں۔ اخوت اسلامی کے اسباب کو پروان چڑھائیں اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کریں۔ باہم تحمل اور برداشت کو فروغ دیں اور کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جمع ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم باہم متحد ہو کر اپنے دشمن کا مقابلہ کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو سر پر منڈلانے والا دشمن کسی بھی وقت ہم پر حملہ آور ہو کر ہماری ہوا اکھاڑ سکتا ہے۔

اتحادِ اُمّت

حافظ محمد مشتاق ربانی

بخاری شریف کی کتاب الادب میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ میں ایک جسم جیسا پاؤ گے، کہ جب اس کا کوئی عضو بھی تکلیف میں ہوتا ہے، تو سارا جسم ایسی تکلیف میں ہوتا ہے، کہ نیند اُڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہوتا ہے۔"

شاید ایسی ہی احادیث نبویہ سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان نے اخوت کی تعریف ایک شعر میں یوں بیان کی۔

اخوت کا یہ مطلب ہے چبھے کانٹا جو کابل میں
تو دلی کا ہر اک پیر و جواں بے تاب ہو جائے

اس وقت ملت اسلامیہ کو جو بڑے بڑے مسائل درپیش ہیں، ان میں سے ایک اہم مسئلہ امت میں اتحاد کے فقدان کا ہے۔ ملت اسلامیہ اس وقت نہ صرف چھوٹے چھوٹے ملکوں میں منقسم ہے بلکہ خاندانوں کا اتحاد بھی پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ ملت اسلامیہ سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی بنیادوں پر بھی شدید انتشار کا شکار ہے۔ مذہبی رواداری ناپید ہے۔ دوسروں کی رائے کے احترام کا جذبہ مفقود ہے۔ ہمیں چاہیے کہ فروعی مسائل اور اختلافات سے بالاتر ہو کر سوچیں، اور اپنے اندر دوسروں کی آراء کو بھی احترام کی نگاہ سے دیکھنے کی ہمت پیدا کریں۔

فرقہ بندی اور اختلاف رائے دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ فرقہ بندی تو ملت اسلامیہ کے لیے زہر قاتل ہے، جبکہ اختلاف رائے ملت اسلامیہ کی نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے، بشرطیکہ یہ نیک نیتی پر مبنی ہو۔ اختلاف رائے ہی سے تو ہم فکری اور نظری اعتبار سے بالغ ہوتی ہیں۔ اگر اختلاف رائے کی حوصلہ شکنی ہو، اور گروہ بندی کی حوصلہ افزائی ہو، تو پھر دشمن کو اس قوم پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ قوم خود ہی اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔ اسی لیے سورۃ الانفال میں ہمیں گروہ بندی اور باہمی تنازعے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

"اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" (آیت:46)

اس آیت میں بتایا گیا کہ اگر تم آپس میں جھگڑو گے، تو تم کم ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ، اپنی دھاک بھی کھو بیٹھو گے۔

ملت اسلامیہ میں آج تک جتنے بھی مصلحین آئے، ان سب نے اتحاد ملی کو ناگزیر سمجھا، چاہے مجدد الف ثانی ہوں، شاہ ولی اللہ ہوں، شیخ الہند ہوں، علامہ اقبال ہوں، امام حسن البنا (رحمۃ اللہ علیہم)۔ امام حسن البنا نے تو اپنی جماعت کا نام ہی "الاخوان المسلمون" رکھا۔ ان تمام مصلحین نے نہ صرف مسلمانوں کو یکجا رہنے کی تلقین کی بلکہ اتحاد نہ رکھنے کے نقصانات سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا۔

یہ طرز عمل انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ اگر کوئی آپ کی رائے کے موافق نہ ہو تو اس کو تہہ تیغ کر دیا جائے، اس پر تشدد کیا جائے، اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اصل میں یہی انتہا پسندی ہے جو کہ مذموم ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

"تم سب (کے سب بلا استثناء اجتماعی طور پر) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔"

(آیت:103)

یہ تو سب جانتے ہیں کہ ملت کی بھلائی اور استحکام کے لئے اتحاد باہمی ایک ناگزیر شے ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اتحاد کیسے پیدا ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم حبل اللہ (قرآن مجید) اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنا مرکز و محور بنائیں، اپنے قائدین اور رہنماؤں کی ذاتی آراء کو حرف آخر نہ قرار دیں۔

بسا اوقات ہم زبردستی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایسی صورت میں اتحاد کیونکر قائم رہ سکتا ہے جب مسلمانوں کی ہی کوئی حکومت مسلمانوں پر بے جا ظلم کر رہی ہو۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں سورۃ الحجرات آیت 9 کے تحت ایک مسئلہ ذکر کرتے ہیں کہ "جب کوئی ایسی جماعت جمع ہو جائے، جن کے پاس طاقت ہو، اور وہ اپنا دفاع کر سکتے ہوں، وہ امام کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیں، امام انہیں دوبارہ اطاعت اختیار کرنے کی دعوت دے، ان کے شبہات کا ازالہ کرے، اگر وہ ایسی دلیل لائیں، جو ان کی طرف سے جنگ کے جواز کو ثابت کرتی ہو جیسے امام نے ان پر ظلم کیا ہو، یا کسی اور نے ان پر ظلم کیا ہو، جس میں کوئی شک نہ ہو تو لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں، یہاں تک کہ امام ان کے ساتھ انصاف کرنے لگے اور ظلم کرنے سے باز آ جائے۔"

واضح رہے کہ اتحاد ایسا بھی نہ ہو کہ ہم باہم اکٹھے دکھائی دیں، لیکن اندرونی طور پر خلفشار کا شکار ہوں جیسا کہ یہود کے بارے میں فرمایا کہ "آپ تو ان کو اکٹھے سمجھتے ہیں لیکن اندر سے وہ پھٹے ہوئے ہیں۔" (الحشر:14)

باہمی اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک طرف ہمیں اپنی سی مساعی کرنی چاہئیں، لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی بھولنا نہیں چاہیے، کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کی بھی نعمت ہے، جو ایمان لانے کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ الانفال (آیت:63) میں فرمایا:

"اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے، جو زمین میں ہے، تو آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر پاتے، لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان کے مابین الفت پیدا کی۔ بے شک وہ عزیز اور حکیم ہے۔"

باہمی الفت کا مفہوم اگر ہم زیادہ گہرائی سے سمجھنا چاہتے ہیں تو سورۃ النور کی آیت 43 پر غور فرمائیں جس میں فرمایا گیا: "کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہانک لاتا ہے، پھر ان کو ملا دیتا ہے"۔ جس طرح بادل باہم ملے ہوتے ہیں، اہل ایمان کو بھی اسی طرح آپس میں ملا ہونا چاہیے۔

یوں تو ہم مسلمانانِ پاکستان نے اجتماعی سطح پر کئی مرتبہ اتحاد کو نقصان پہنچایا ہے، لیکن امارت اسلامیہ افغانستان کو ختم کرنے کے سلسلے میں ہم نے جو گھناؤنا کردار ادا کیا، وہ ایمانی تقاضوں کے یکسر منافی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم نے ایک کافر عالمی طاقت کے ساتھ تعاون کر کے ایک نوزائیدہ خلافت کے نظام کو ختم کر دیا۔ حالانکہ ہمیں تو یہ حکم ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے ہرگز تعاون نہ کرو۔ ہمارا یہ اقدام اتحاد، اخوت، اور وحدت کے اصولوں کے واضح طور پر خلاف تھا۔ ہمارے پاس اس جرم کے ازالہ کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ کریں، افغانستان سے امریکی فوج کے اخراج کے لیے کوئی بھی راستہ اپنانے سے گریز نہ کریں اور افغانستان میں از سر نو اسلامی حکومت کو بحال کرنے میں تعاون کریں۔

سچائی کی راہ میں رکاوٹیں!!

انور یوسف

لبید کی شاعری کے علاوہ شہرت کی کئی وجوہات تھیں جن کی بنا پر عرب میں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لبید 514ء میں پیدا ہوا اور 661ء میں وفات پائی۔ اس دوران انہوں نے بہت سے قصیدے اور اشعار کہے۔ ان کے جس قصیدے کو بے پناہ شہرت ملی، اس کے چند اشعار کا نثری اُردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے: ”ذات واجب الوجود کے علاوہ ہر چیز ختم ہونے والی ہے اور ہر نعمت زائل ہونے والی ہے۔ زیادہ اُمید و تمنا رکھنے والا تادیر زندہ نہیں رہتا، اس لیے خواہش اور تمنا کم رکھی جائے۔ اگر تیرا نفس تجھے سچائی پر آمادہ نہ کرے تو پھر حادثات پر غور کر، شاید گزشتہ لوگوں کے واقعات و حادثات ہدایت دیں۔ یقیناً ہر آدمی کو ایک نہ ایک دن اپنی محنت و کوشش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا......“

یہ اشعار میں نے زمانہ طالب علمی میں کسی عربی کتاب میں پڑھے تھے، جو آج اس لیے یاد آ رہے ہیں کہ چند دن قبل ابوغریب جیل میں انسانیت سوز مظالم کی غیر جانبدار طریقے سے تحقیقات کرنے والے امریکی میجر جنرل ”انتونیو“ کو جبری طور پر ریٹائرڈ کر دیا گیا ہے۔ غیر جانبدار رویہ اپنانے کی وجہ سے جبری استعفیٰ لینے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے قبل بھی مسلمانوں کے ساتھ نرمی، غیر جانبدارانہ اور لچک کا رویہ رکھنے والوں کے ساتھ اس طرح کئی دفعہ ہوا ہے، بلکہ اہم عہدوں پر ترقی ہی ان افراد کو دی جاتی ہے جو اسلام، مسلمانوں اور عالم اسلام کے ساتھ زیادہ تعصب اور دشمنی رکھتے ہوں۔ آپ امریکی کانگریس میں موجود افراد کا جائزہ لے کر دیکھ لیں، ان میں اکثریت شدت پسند صیہونیوں ہی کی نظر آئے گی۔ ایک رپورٹ کے مطابق 2006ء کے وسط تک امریکی کانگریس میں ان کی تعداد 37 تھی لیکن مڈٹرم الیکشن کے بعد یہ تعداد بڑھ کر 43 ہو چکی ہے جبکہ 2006ء سے پہلے یہ تعداد صرف 11 تھی۔ عالمی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ 2008ء کے الیکشن میں صیہونی کانگریس میں اپنی تعداد 90 تک لے جانا چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صیہونی بڑی منصوبہ بندی اور تیزی سے دنیا پر چھائے جا رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی اخبار ”Haaretz“ کے مطابق اسرائیل سے باہر دنیا بھر میں صیہونی ارکانِ پارلیمنٹ کی کل تعداد اس وقت 246 ہے جبکہ گزشتہ سال یہ تعداد 208 تھی۔ اس طرح اہم عہدوں پر کٹر صیہونیوں کا اثر و نفوذ تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔

ایک طرف تو یہ صورت حال ہے، دوسری طرف پوری دنیا میں لوگوں کے اسلام کی طرف رجحان میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکا سے شائع ہونے والے ایک جریدے کی رپورٹ کے مطابق بہت سے امریکی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ ان اسلام قبول کرنے والوں میں درجنوں معروف و مشہور افراد بھی ہیں۔ آخر ظلم کی چکی میں پسی ہوئی عورتیں مسلمان کیوں نہ ہوں، کیوں کہ امریکا و یورپ نے خواتین کے حقوق کے نام پر خواتین کو کولہو کا بیل بنا رکھا ہے۔ ان کے حقوق اس طرح پامال کر رکھے ہیں کہ ان کی داستانیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ ذرا ان ”ترقی یافتہ“ ممالک میں عورتوں پر ہونے والے قیامت خیز مظالم کی اِک جھلک دیکھیں۔ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق مغربی ممالک میں خواتین پر جن مختلف طریقوں سے تشدد کیا جاتا ہے، ان میں گھریلو تشدد سرفہرست ہے۔ برطانیہ میں خواتین کو ماں بننے کے بعد ہر جگہ ناپسندیدہ رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد اپنے سابق شوہروں اور بوائے فرینڈز کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف امریکا میں عورتوں پر تشدد تقریباً 7 لاکھ واقعات ہوئے ہیں، جبکہ گینگ ریپ اور اغواء کے کیس اس کے سوا ہیں۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق حالیہ برسوں کے دوران ہر 100 اور 33 ریڈ انڈین خواتین کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے جن میں کم عمر بچیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ امریکہ و یورپ میں جنسی تشدد کا شکار ہونے والی خواتین کی اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو۔

ایک اور تحقیقاتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق امریکا میں ہر ڈھائی منٹ میں کہیں نہ کہیں کوئی جنسی زیادتی کا شکار ہوتا ہے۔ ہر 6 میں سے ایک امریکی عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ زنا بالجبر کے واقعات میں امریکا جیسے ملک میں 33 فیصد نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ امریکی معاشرے میں جنسی زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کی حوصلہ شکنی اور جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یوں پوری دنیا میں خواتین کے حقوق کا علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والے ملک میں یہ صورت حال انتہائی شرمناک، افسوس ناک اور انسانیت کے لیے کلنک کا ٹیکہ ہے۔

مغرب کا تیزی سے اسلام کی طرف آنا دراصل ان مظالم اور ناانصافیوں کا ردعمل ہے، جو امریکہ و یورپ عالم اسلام پر روا رکھے ہوئے ہیں۔ گوانتانوموبے جیل میں قرآن پاک کی توہین، ڈنمارک میں آپؐ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت، عراقی جیل ابوغریب میں مسلمان مرد اور عورتوں سے بدترین بدسلوکی، افغانستان میں بگرام کے قید خانے میں عرب مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم، مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر بارود کی بارش، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی، اسلامی عقائد اور شعائر اسلام کا مذاق اُڑانا، داڑھی کو دہشت گردی کی علامت سمجھنا، حجاب پر پابندی لگا کر مسلم خواتین کے جذبات مجروح کرنا، دنیا بھر میں ہر دہشت گردی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپنا، مسلمانوں کو اسلامی شعائر پر ملازمت سے جبراً فارغ کرنا، اسلام دشمنوں کو اپنے ملکوں میں سیاسی پناہ دینا، ان کی ہر طرح کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے معتوب افراد کو عزت و اکرام کے خطابات سے نوازنا......ملعون رشدی کو ”سر“ کا خطاب دے کر عالم اسلام کے زخموں پر نمک پاشی کا تازہ واقعہ اس پر شاہد ہے۔

حال ہی میں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل نے چند نئے قواعد و قوانین کی منظوری دی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ گستاخ رسول و صحابہ کرام اور شعائر مذہب کے تحفظ کے حوالے بھی کوئی قانون بن جائے، تاکہ بین المذاہب رواداری کو فروغ مل سکے۔ یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ ”ہولوکاسٹ“ کے منکرین کے لیے سزا کا باقاعدہ قانون موجود ہے جبکہ مسلمانوں کے مذہب کے تحفظ کے لیے کوئی قانون نہیں۔ اگر کسی اسلامی ملک میں یہ قانون موجود بھی ہے تو اسے غیر منصفانہ کہہ کر پورا مغرب ختم کرنے پر تُل جاتا ہے۔ مغرب کے اس دوہرے معیار نے ہی دہشت گردی کو جنم دیا ہے۔ اگر مغرب چاہتا ہے کہ دنیا امن سے رہے تو پھر اسے مسلمانوں کی بار بار دل آزاری سے باز آنا ہوگا۔ اسلام، مسلمانوں اور عالم اسلام کے جذبات کو آئے دن کسی نہ کسی بہانے ٹھیس پہنچانے سے رُکنا ہوگا، ورنہ ہر عمل کا ردعمل ایک لازمی امر ہے۔ ویسے مخضرمی عرب شاعر لبید نے یہ حقیقت چودہ سو سال پہلے ہی کہہ دی تھی ”سچائی کی راہ میں رکاوٹیں نہیں کھڑی کرنی چاہئیں، کیونکہ اس کے سامنے یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔“

(بشکریہ روزنامہ ”اسلام“)

ناظمہ علیا اور نائب ناظمہ تنظیم اسلامی کا دورۂ فیصل آباد

17 اپریل کو رات ساڑھے سات بجے ناظمہ حلقہ خواتین کی طرف سے نقیبہ فیصل آباد کو فون آیا کہ امیر محترم حافظ عاکف سعید فیصل آباد تشریف لا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ناظمہ علیا تنظیم اسلامی مسز ڈاکٹر اسرار احمد (امیر محترم کی والدہ) اور نائب ناظمہ محترمہ امۃ المصطفی ہوں گی۔ یہ خبر ہم سب کے لئے باعث مسرت تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق 19 اپریل بروز ہفتہ معزز مہمان ایک بجے دوپہر ملک احسان کے گھر رونق افروز ہوئے۔ جہاں امیر محترم کے استقبال کے لئے تنظیم اسلامی کے رفقاء پہلے سے موجود تھے۔ قیام طعام کے بعد امیر محترم قرآن اکیڈمی تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے رفقاء کے ساتھ اجتماعی ملاقات کرنی تھی۔

محترمہ ناظمہ اور نائب ناظمہ بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق مسز احسان کے ہمراہ میاں اسلم (مرحوم) کے گھر تشریف لے گئیں۔ وہاں الحمدللہ تمام رفیقات کے علاوہ کم و بیش 100 خواتین بھی موجود تھیں۔ پروگرام شروع ہونے سے پہلے نقیبہ فیصل آباد مسز احسان نے رفیقات کی طرف سے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔ نعت رسول مقبول مسز رشید عمر نے پیش کی۔ چار تا پانچ بجے کے دوران محترمہ ناظمہ نے درسِ قرآن دیا۔ بعدازاں نصف گھنٹہ اہلیہ محترمہ ڈاکٹر اسرار احمد نے ایمان افروز گفتگو کی۔ دعا کے بعد ناظمہ نے تمام رفیقات سے انفرادی ملاقات کی۔ سوالات اور جوابات کا سلسلہ سات بجے تک جاری رہا۔ مسز اسلم نے پرتکلف چائے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین جزا سے نوازے۔

نماز مغرب ادا کرنے کے بعد مہمانانِ گرامی ڈاکٹر عبدالسمیع کے گھر تشریف لے گئے۔ اور وہیں کھانا کھایا۔ بعدازاں رات نو بجے یہ قافلہ لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہماری کوششوں کو قبول و منظور فرمائے اور دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(رپورٹ: رفیقہ تنظیم)

تنظیم اسلامی صادق آباد کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی صادق آباد اگرچہ برسوں سے قائم ہے لیکن تنظیمی سرگرمیوں کے حوالے سے بہت پیچھے رہی ہے۔ اب جب کہ اکثر پرانے رفقاء بڑھاپے کی دہلیز میں قدم رکھ چکے ہیں، اللہ کی طرف اِس مہلت عمر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کی طرف رُجوع کرنے کی ٹھانی گئی۔ چند نوجوان ساتھی لاہور سے صادق آباد منتقل ہوئے۔ انہوں نے مہمیز کا کام کیا۔ اُن میں سرفہرست سید ذکاء الرحمان اور پروفیسر عبدالجبار شامل ہیں۔ جوش اور جذبہ پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے تو یہ طے ہوا کہ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو دعوت دی جائے۔ انہوں نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ہماری یہ دعوت قبول فرمائی۔ 13 مارچ کو ہونے والا یہ پروگرام انتہائی مثالی اور رفقاء کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ سکھر اور نواب شاہ تک کے لوگ اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ حاضرین کی تعداد توقع سے بہت بڑھ کر تھی۔ پروگرام میں پانچ صد کے قریب خواتین جبکہ دو ہزار کے لگ بھگ حضرات نے شرکت کی۔ بجلی بند ہونے کے باوجود کسی قسم کی افراتفری دیکھنے میں نہیں آئی۔ مقامی کالج کے طلبہ سیکیورٹی پر متعین تھے۔ ابھی حال ہی میں منعقد ہونے والی ریلی بھی تنظیم اسلامی صادق آباد کی طرف ایک بھرپور انداز میں دعوتی پروگرام بھی تھا، جس میں تقریباً دو ہزار ہینڈ بل بھی تقسیم کیے گئے۔

تنظیم اسلامی صادق آباد اِس سے قبل صرف دو اُسروں پر مشتمل تھی۔ ساتھیوں کے مشورے کے بعد اب اُسے پانچ اُسروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اِس سے قبل صرف ایک حلقہ قرآنی قائم تھا۔ اب انہیں توسیع دی گئی اور بارہ حلقے قائم کر دیئے گئے۔ جن حلقوں میں پروگرام بذریعہ ویڈیو چلایا جاتا تھا، مقامی ناظم دعوت نسیم چودھری نے وہاں مدرسین کو مقرر کر دیا ہے۔ اُسرہ شہر کے نقیب محمد یونس بٹ اِن تمام حلقوں کی نگرانی کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو اُن کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن حلقوں میں مدرسین کا پہنچنا ممکن نہیں تھا، وہاں ویڈیو خطابات دکھائے جاتے ہیں۔ ان حلقوں میں جنریٹر خرید کر دے دیے گئے ہیں، تاکہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے پروگرام میں رخنہ نہ پڑے۔ یہاں تین ماہانہ پروگراموں کا باقاعدگی سے انعقاد کیا جاتا ہے۔ ایک پروگرام سیٹلائٹ ٹاؤن میں ہوتا ہے، جس میں ہمارے نئے شامل ہونے والے رفیق عامر شہزاد درس دیتے ہیں۔ احباب کی حاضری پچاس افراد تک ہوتی ہے۔ دوسرا پروگرام ہر ماہ کے پہلے اور تیسرے جمعہ کو ایک حبیب کے گھر منعقد ہوتا ہے۔ تیسرا پروگرام مرکزی دفتر میں ہوتا ہے، جس میں درس عامر شہزاد دیتے ہیں۔

تنظیم اسلامی صادق آباد کا ماہانہ تربیتی پروگرام بھی منفرد انداز میں منعقد ہو رہا ہے۔ صبح دس بجے شروع ہونے والے اِس پروگرام میں درس قرآن، درس حدیث، سیرت رسول ﷺ، سیرت صحابہؓ، مذاکرہ، کلام اقبال، اُسرہ جات کی رپورٹ، انفاق کا حساب کتاب، آئندہ کے پروگرام اور اِس سے قبل ہونے پروگرام میں کوتاہیوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ مرکز سے موصول ہونے والی ہدایات بھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر بھی تبصرہ ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر ساتھی اپنا اپنا کھانا گھر سے لے کر آتا ہے اور سب مل کر کھاتے ہیں۔ شام پانچ بجے یہ پروگرام اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ہر ماہ اُسرہ جات کے سطح پر دو اجلاس ہوتے ہیں۔ جب سے پانچ اُسرے بنائے گئے ہیں، حاضری تقریباً سو فیصد ہو گئی ہے۔ ہر ماہ نقباء کی ایک میٹنگ اِس کے علاوہ ہوتی ہے، جس میں اہم امور پر مشاورت کی جاتی ہے۔

دعا ہے کہ ہم سب کی زندگی رضائے الٰہی کے حصول میں صرف ہو۔ (آمین)

(رپورٹ: سجاد منصور)

تنظیم اسلامی چکلالہ کے زیر اہتمام تفہیم دین پروگرام

30 مارچ 2008ء کو حلقہ پنجاب شمالی کی تنظیم چکلالہ نے راولپنڈی شہر سے تقریباً 25 کلومیٹر دور قصبہ ساگری میں ایک روزہ فہم دین پروگرام منعقد کیا۔ پروگرام کا آغاز صبح دس بجے مسجد دارالعرفان میں تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت حافظ عاصم محمود نے حاصل کی۔ سوا دس بجے جناب شفاء اللہ نے نبی اکرم ﷺ سے محبت اور اس کے تقاضے کے موضوع پر سورالاعراف کی آیت نمبر 158 کی روشنی میں درس دیا۔ ملک قمر نواز نے ”قرآن کیوں نازل ہوا اور قرآن کے ہم پر فرائض“ کے موضوع پر اپنی گفتگو کو پچھلے موضوع سے جوڑتے ہوئے سیر حاصل بحث کی۔ بھائی عبداللہ نے ”عذاب الٰہی سے بچنے کے راستے“ کے موضوع پر درس دیا۔ دن کے ایک بجے اس پروگرام کی پہلی نشست ختم ہوئی۔

کھانے اور نماز ظہر کے وقفے کے بعد اڑھائی بجے دوسری نشست کا آغاز ہوا۔ جناب علاؤالدین نے ”ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے“ کے حوالے سے وائٹ بورڈ کی مدد سے بہت دلنشین گفتگو کی۔ اس کے بعد مقامی امیر تنظیم اسلامی راجہ محمد اصغر نے ”جہاد اور اس کی منزلیں“ کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ انہوں نے جہاد کی تشریح کی اور موجودہ دور میں جہاد کے بارے میں پائے جانے والے مغالطوں کو سادہ مثالوں سے واضح کیا۔ ساڑھے چار بجے چائے اور نماز عصر کا وقفہ ہوا۔

پروگرام کی تیسری نشست میں پروفیسر حافظ ندیم مجید نے ”ہمارے رسول ﷺ کا طریقہ انقلاب“ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نماز مغرب کے بعد ناظم حلقہ پنجاب شمالی خالد محمود عباسی نے ”اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت اور ضرورت“ کے موضوع پر گفتگو کی۔ یہ پروگرام اذان عشاء سے پہلے اختتام کو پہنچا۔ اس پروگرام میں 33 رفقاء اور تقریباً 35 احباب نے شرکت کی۔ احباب نے اس پروگرام کو بے حد پسند کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس طرح کے پروگرام وقفے وقفے سے ہوتے رہنے چاہئیں۔

یہ پروگرام ساگری کے مقامی نوجوان رفیق ناصر اقبال بھٹی کی خواہش پر منعقد کیا گیا تھا۔ اس کام میں مسجد دارالعرفان کی انتظامیہ نے بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ دعا کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔

(مرتب: وسیم اقبال)

اسرائیل کا شام پر حملہ

پچھلے سال 7 ستمبر کو عالمی ذرائع ابلاغ نے بڑے پر اسرار انداز میں یہ خبریں چھاپی تھیں کہ گزشتہ دن اسرائیلی طیاروں نے شام میں ایک اہم عمارت کو نشانہ بنایا ہے۔ پوری دنیا میں پھر صحافی اور ماہرین یہ اندازے لگاتے رہے کہ آخر وہ کون سی عمارت ہوسکتی ہے۔ آخر اس ہفتے امریکا نے اعلان کیا کہ 6 ستمبر کو اسرائیلی طیاروں نے شام میں ایک ایسے ایٹمی ری ایکٹر کو نشانہ بنایا جو چالو ہونے والا تھا۔

امریکیوں کو یہ انکشاف اس لیے کرنا پڑا تا کہ شمالی کوریا کو دباؤ میں لیا جاسکے۔ امریکی حکومت کا دعویٰ ہے کہ شام شمالی کوریا کے تعاون سے ایٹمی ری ایکٹر تعمیر کر رہا تھا۔ اس انکشاف کے بعد بین الاقوامی ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ محمد البرادعی نے امریکیوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا ''اگر امریکی حکومت ہمیں شامی ایٹمی ری ایکٹر کے بارے میں مطلع کردیتی، تو ہم تحقیق کر کے دنیا والوں کے سامنے سچ لے آتے۔'' جواباً امریکا کا کہنا ہے کہ اگر یہ بات طشت از بام ہوجاتی کہ انہیں ایٹمی ری ایکٹر کا پتا چل گیا ہے، تو شامی حکومت اسرائیلی طیاروں کا راستہ روکنے کی خاطر سخت حفاظتی اقدامات کر لیتی۔

یہ دوسرا موقع ہے کہ اسرائیلی طیاروں نے ایک مسلمان ملک کو ایٹمی طاقت بننے سے روک دیا۔ اسرائیلی طیارے اس سے قبل عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر چکے ہیں۔ اسرائیلیوں کی یہ حرکت صیہونی دہشت گردی کی تازہ مثال ہے۔ حقیقتاً وہ امریکا کی شہ پر مشرق وسطیٰ کا غنڈہ بن چکا ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ کوئی بھی اس کے سامنے سر اٹھا کر نہ چل سکے۔ مگر یہ رویہ علاقے میں کبھی امن نہیں لاسکتا بلکہ جنگ کا ماحول بنتا چلا جائے گا۔

اسرائیل عرصہ دراز سے ایٹمی طاقت بن چکا ہے۔ مگر اس کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ دوسرے خصوصاً اسلامی ممالک کو ایٹمی طاقت بننے سے روک دے؟ عراق اور شام کے ایٹمی ری ایکٹر تباہ کرنا کھلم کھلا غنڈہ گردی ہے، پھر امریکی کس منہ سے کہتے ہیں کہ اسرائیلی تو امن چاہتے ہیں، یہ فلسطینی اور عرب ہیں جنہوں نے مشرق وسطیٰ میں فساد کھڑا کر رکھا ہے۔ یہ امر درحقیقت حقوق انسانی اور جمہوریت کے عالمی چیمپیوں کی منافقت پوری طرح عیاں کر دیتا ہے۔

امریکا کے ''اعلان آزادی'' کا حصہ

ہم امریکیوں کو ان کا وہ عہد یاد دلانا چاہتے ہیں جو ان کے آزادی پسند آباؤ اجداد نے برطانیہ کی غلامی کا طوق اتارتے ہوئے کیا تھا: ''جب انسانی تاریخ میں ایسا وقت آئے جب ایک قوم ان تمام سیاسی بندشوں کو توڑ دے جو اُسے دوسری قوم کا پابند بناتی ہیں اور اپنا ایک علیحدہ اور مساوی وجود قائم کرلے جس کا حق اُسے قوانین فطرت اور خالق کائنات نے عطا کیا ہے، تو رائے عامہ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان اسباب کا اعلان کرنا ضروری ہے جن کی بنا پر ایک قوم علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہے۔ یہ جملے واضح کرتے ہیں کہ امریکا کے بانیان تحریک آزادی کا مفہوم بخوبی سمجھتے تھے اور انہوں نے اُسے منافقت کا لبادہ نہیں اوڑھایا۔ مگر آج ان کی اولاد جس دھڑلے سے پوری دنیا میں تحاریک آزادی کے پرخچے اڑانے اور حریت پسندوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں مصروف ہے، وہ ان کا سر شرم سے جھکا دینے کو کافی ہے۔

فلسطین ہو یا کشمیر، چیچنیا ہو یا مشرقی ترکستان...... ہر جگہ آزادی کے متوالے فسادی اور دہشت گرد قرار پا چکے ہیں نہ اقوام متحدہ اور نہ ہی عالمی طاقتیں ان ''اسباب'' پر غور کرنا چاہتی ہیں جن کی بنا پر ظلم و جبر کا شکار یہ حریت پسند اپنے اپنے وطن کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صورت حال صرف غیروں کے اقدامات کا ہی نتیجہ نہیں بلکہ اسے جنم دینے میں اپنے میر جعفر و میر صادق بھی شریک ہیں۔

مکہ کے وقت کو عالمی معیار بنانے کا مطالبہ

چند مسلمان علمائے دین اور سائنسدانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ گرینچ کے معیاری وقت کے بجائے مکہ کے وقت کو معیار کے طور پر اپنانا چاہیے کیونکہ مکہ ہی دنیا کا مرکز ہے۔ یہ مطالبہ قطر میں ہونے والی ایک کانفرنس ''مکہ مرکز عالم، علم و عمل'' میں کیا گیا ہے۔ کانفرنس میں شریک ایک ماہر ارضیات کا کہنا تھا کہ جغرافیائی لحاظ سے مکہ قطب شمالی سے دیگر طول بلد کے مقابلے میں بہترین مطابقت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں نے برطانوی راج کے دور میں دیگر ممالک پر قبضہ کر کے، باقی دنیا پر زبردستی گرینچ کا وقت مسلط کر دیا تھا، اور اس صورتحال کو بدلنے کا وقت آگیا ہے۔ معروف عالم دین شیخ یوسف القرضاوی نے اس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جدید سائنسی طریقوں سے یہ اب ثابت ہوگیا ہے کہ مکہ کرہ ارض کا اصل مرکز ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس سے قبلے کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ اس کانفرنس میں مکہ واچ نامی منصوبے کا بھی جائزہ لیا گیا۔ یہ ایک فرانسیسی سائنسدان کی ایجاد کردہ گھڑی ہے جو الٹی طرف چلتی ہے اور اس سے دنیا میں کہیں بھی موجود مسلمانوں کو قبلے کے رخ کا پتہ چل سکتا ہے۔ قطر میں ہونے والا یہ اجلاس کئی مسلمان معاشروں میں اس سوچ کی عکاسی کرتا ہے جس کے تحت جدید سائنس کے مسلمہ حقائق کو قرآن سے ثابت کرنا مقصود ہے۔ اسی سوچ کو اعجاز القرآن کا نام دیا گیا ہے اور یہ عموماً قرآن کی معجزاتی خصوصیات کی ترجمانی کرتی ہے۔

ایک ایرانی مسلمان کا منفرد اعزاز

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلمان علم خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی سے دور بھاگتے ہیں۔ یقیناً اس بات میں سچائی بھی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ علم سے دوری کا باعث عام مسلمان نہیں بلکہ ان کی حکومتیں ہیں۔ عالم اسلام کی بیشتر حکومتیں ایسے اقدامات نہیں کرتیں جو ہر اسلامی ملک میں سائنس و ٹیکنالوجی کا بول بالا کر سکے۔ بس انہوں نے مغرب کے علوم کی نقل کرنا اپنا وتیرہ بنا لیا ہے۔ تاہم اس تاریکی میں بھی کبھی امید کی کرن نظر آجاتی ہے۔ امریکا میں جنم لینے والی 19 سالہ عالیہ صبور کو انسانی تاریخ میں کم عمرترین پروفیسر ہونے کا اعزاز مل گیا ہے۔ عالیہ سے قبل یہ اعزاز 1717ء میں ایک برطانوی عالم کولن میکلارین کے پاس تھا۔ کولن مشہور انگریز طبعیات دان، سر آئزک نیوٹن کا شاگرد تھا۔ عالیہ کے کم عمرترین پروفیسر ہونے کی تصدیق عالمی ریکارڈوں کی مستند کتاب گینز بک آف ورلڈ ریکارڈز نے بھی کر دی ہے۔

عالیہ کی کامیابی اس امر کا ثبوت ہے کہ عالم اسلام کی زمین آج بھی زرخیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً مسلمان طلبہ و طالبات عالمی سطح پر زبردست کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگر مسلم ممالک کی حکومتیں عیش و عشرت اور مغربی طاقتوں کی کٹھ پتلی بننے کے بجائے خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ تعلیم پر توجہ دیں تو مسلمان ایک بار پھر بام عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔

ایرانی پارلیمان میں قدامت پسندوں کی برتری

ایران کی پارلیمنٹ میں قدامت پسندوں نے اکثریت حاصل کرلی ہے۔ انہیں حالیہ ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں 200 نشستیں ملی ہیں جبکہ باقی نشستیں اصلاح پسندوں کے حصے میں آئیں۔ ایرانی پارلیمان 290 نشستوں پر مشتمل ہے۔ یہ خبر ایرانی صدر احمدی نژاد کے لیے خوش کن ہے کہ انہیں پہلے کے مانند پارلیمنٹ میں مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

ترجمہ قرآن کریم کورس

(سمر کیمپ)

تعارف: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام ایک خصوصی سمر کیمپ منعقد کیا جا رہا ہے۔ جس میں اڑھائی ماہ کی قلیل مدت میں مکمل ترجمۂ قرآن (مع مختصر لغوی و تفسیری بیان) اور منتخب نصابِ حدیث کی تدریس ہوگی۔

اہلیت : رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) کی تکمیل یا عربی گرامر کے کسی شارٹ کورس میں شرکت۔

دورانیہ : مورخہ 16 جون تا 31/اگست 2008ء

اوقاتِ تدریس : صبح 8 بجے تا دوپہر 12 بجے

داخلہ ٹیسٹ : مورخہ 14 جون 2008ء صبح 10 بجے ہوگا۔ (رجوع الی القرآن کورس پاس کرنے والے حضرات داخلہ ٹیسٹ سے مستثنیٰ ہیں)

مقام : قرآن اکیڈمی 36کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

زیر انتظام: شعبۂ تدریس، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

email : irts@tanzeem.org